انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء
اردو......عربی
اہل سنت کا نشان
ماہنامہ بقیع کراچی
DECEMBER 2005
مؤلف حضرت علامہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ (المتوفی ۹۱۱ھ)
مترجم حضرت علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی مدظلہ العالی
تحقیق، تعلیق، تخریج حضرت علامہ مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی
و مولانا محمد فرحان قادری
جمعیت اشاعت اہلسنت پاکستان
نور مسجد کاغذی بازار میٹھادر کراچی

کیا بعد از وصال بھی انبیاء زندہ ہوتے ہیں......؟

...... آئیے پڑھیے ......

إنباء الأذكياء بحياة الأنبياء

اردو.........عربی

مؤلف

حضرت علامہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ

(المتوفی......۹۱۱ھ)

مترجم

حضرت علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی مدظلہ العالی

تحقیق، تعلیق، تخریج

حضرت علامہ مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مدظلہ العالی

و مولانا محمد فرحان قادری سلمہٗ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

نام کتاب : إِنْبَاءُ الْأَذْكِيَاءِ بِحَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ

مصنف : حضرت علامہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ

مترجم : حضرت علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی مدظلہ العالی

تحقیق، تعلیق، تخریج : حضرت علامہ مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مدظلہ العالی

و مولانا محمد فرحان قادری سلمہٗ الرحمان

ضخامت : ۱۶۰ صفحات

تعداد : ۲۱۰۰

سن طباعت : ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ بمطابق دسمبر 2005ء

سلسلہ اشاعت : ۱۴۰

☆☆ ناشر ☆☆

جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان

نور مسجد کاغذی بازار، میٹھادر، کراچی۔ 74000

فون: 2439799

مشمولات

رئیس دارالافتاء جمعیت اشاعت اہلسنّت

ورکن مرکز تحقیقات النصوص الشرعیۃ والثقافۃ الاسلامیہ

☆ فہارس ترجمۂ آیات قرآنی

ازعلامہ ابوحماد محمد مختار اشرفی

رکن مرکز تحقیقات النصوص الشرعیہ والثقافۃ الاسلامیہ

☆ فہارس حدیث وآثار (اردو)

ازعلامہ ابوحماد محمد مختار اشرفی

رکن مرکز تحقیقات النصوص الشرعیہ والثقافۃ الاسلامیہ

☆ تقدیم (عربی)

ازحضرت علامہ محمد ذاکراللہ نقشبندی

(رکن مرکز تحقیقات النصوص الشرعیہ والثقافۃ الاسلامیہ، نورمسجد)

☆ رسالہ "إنباء الأذكياء بحياة الأنبياء" (عربی)

ازعلامہ جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ)

☆ تحقیق وتخریج (عربی)

ازمولانا ابوالضیاء محمد فرحان قادری رضوی

فاضل مدرسہ جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

☆ فہارس آیات قرآن کریم

ازعلامہ ابوحماد محمد مختار اشرفی

رکن مرکز تحقیقات النصوص الشرعیہ والثقافۃ الاسلامیہ

☆ فہارس حدیث وآثار (عربی)

ازعلامہ ابوحماد محمد مختار اشرفی

رکن مرکز تحقیقات النصوص الشرعیہ والثقافۃ الاسلامیہ

عرض ناشر اول

وقت کا نقیب جب گروہِ انسانی کی تاریخ مرتب کرے گا تو مسلمانوں کی تاریخ لکھتے ہوئے اس کے سامنے دو گروہ ہوں گے ایک گروہ وہ ہوگا کہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے پیارے حبیب، باعث ایجاد کائنات ﷺ کی ثناء وتوصیف میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا ہوگا اس گروہ کی ہر آن یہ آرزو اور یہ تمنا ہوگی کہ کسی طرح سید لولاک ﷺ اور ان کی آل واصحاب ﷺ کی عزت وناموس پر کٹ مرے وہ اس مدحتِ رسول ﷺ کو اپنے لیے باعث ذخیرۂ آخرت تصور کرے گا۔

دوسرا گروہ وہ ہوگا کہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت کی تو گواہی دے گا لیکن توحید کے پردے میں وہ حضور نبی کریم ﷺ کی شان والا صفات میں نقص وعیب نکالنے کا جویاں ہوگا۔ جہاں کہیں کسی نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ کی ثناء وتوصیف بیان کی اس گروہ کے ماتھے پر شکنیں پڑ جائیں گی، منہ لٹک جائے گا اور وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر اور آستینیں چڑھا چڑھا کر اس ثناء وتوصیف کو روکنے کی کوشش کرے گا اور اگر نہ روک پایا تو اس پر ناک بھوں چڑھائے گا۔

بقول امام اہلسنّت علیہ الرحمہ:۔

تیرا کھائیں تیرے غلاموں سے الجھیں   ہیں منکر عجب کھانے غرانے والے

یہ وہ گروہ ہے کہ جس کی داغ بیل محمد بن عبدالوہاب نجدی نے رکھی اور مسلمانوں کے مقدس مقامات مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بھی اس کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ پھر اس کی مذموم تعلیمات کو اسماعیل دہلوی نے برصغیر میں پھیلانے کا شر انگیز کارنامہ انجام دیا۔ آج تک کسی قوم نے اپنے نبی کی شان میں اتنا توہین وتحقیر آمیز رویہ روا نہ رکھا ہوگا جو

کہ اس گروہ کا وطیرہ ہے۔

حیات الانبیاء بھی ایک ایسا ہی نزاعی مسئلہ ہے جس پر دونوں گروہوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ پہلا گروہ جو تعظیم و توصیفِ رسول ﷺ کو انتہائی مستحسن اور باعث ثواب سمجھتا ہے اس کا عقیدہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے اس بند میں پنہاں ہے کہ:

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے — لیکن ایسی کہ فقط آنی ہے
پھر اس کے بعد ان کی زندگانی — مثلِ سابق وہی پرانی ہے

جبکہ دوسرا گروہ اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے اس کے نزدیک معاذ اللہ انبیاء کرام بھی مرکر مٹی میں مل جاتے ہیں۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں وہ مسلمانوں کے متفقہ امام ہیں ان کے علمی و ادبی کارناموں کا ایک عالم معترف ہے۔ زیرِ نظر کتاب بھی علامہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے اس انتہائی مفید کتاب کا اردو ترجمہ حضرت علامہ مولانا مفتی فیض احمد اویسی صاحب مدظلہ العالی نے کیا ہے جبکہ اس پر تحقیق و تعلیق حضرت علامہ مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی صاحب اور مولانا محمد فرحان قادری صاحب نے کی ہے۔

زیرِ نظر کتاب جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان کے تحت شائع ہونے والی 139 ویں کتاب ہے علماء کرام کی سہولت کے لیے ہم اس کتاب کے عربی متن کو بھی ساتھ ہی شائع کر رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو عوام و خواص کے لیے نافع بنائے۔

آمین بجاہ النبی الامین ﷺ

محمد مختار اشرفی غفرلہ

عرضِ ناشر دوم

آج اگر ہم اپنے اطراف میں نظر ڈالیں تو ہمیں بے شمار فرقِ باطلہ نظر آئیں گے جن کے عقائد و نظریات، قرآن و حدیث اور سلف صالحین کے خلاف ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنے سوا تمام مسلمانانِ عالم کو کافر، مشرک اور بدعتی قرار دیتے ہیں۔ جبکہ ان میں بعض کے اکابر علماء نے نہ صرف اپنی کتابوں میں اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی شان میں توہین و تنقیص آمیز عبارتیں لکھیں بلکہ قرآن شریف کے تراجم میں عقیدۂ عصمتِ انبیاء کا بھی پاس نہیں رکھا۔

ان کے عقائد باطلہ میں سے ایک باطل عقیدہ حیات الانبیاء علیہم السلام کا انکار بھی ہے۔ حیات الانبیاء سے متعلق اہلِ سنت کے مخالفین کا عقیدہ ان کی کتب سے نہایت واضح ہے کہ معاذ اللہ! حضور ﷺ اور اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام مرکر مٹی میں مل گئے۔ چنانچہ مولوی اسمٰعیل دہلوی اپنی مذموم زمانہ کتاب "تقویۃ الایمان" میں اپنی اس بدعقیدگی کو حضور ﷺ کی جانب منسوب کرتے ہوئے لکھتا ہے "میں بھی ایک دن مرکر مٹی میں ملنے والا ہوں"۔[1]

حضور سید عالم ﷺ کے متعلق میں یہ عقیدہ رکھنا کہ معاذ اللہ آپ مرکر مٹی میں مل گئے صریح گمراہی ہے۔ اور اس باطل عقیدہ و نظریہ کو حضور اقدس ﷺ کی جانب منسوب کرنا آپ پر افتراءِ محض اور آپ کی شان اقدس میں توہین صریح ہے۔ اور احادیث مبارکہ میں ایسوں کو جہنمی قرار دیا گیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ"[2]

یعنی، جو میرے متعلق ایسی بات کہے کہ میں نے نہ کہی ہو تو وہ جہنم کے اندر اپنا ٹھکانا بنالے۔

---

[1] تقویۃ الایمان، باب اول صفحہ ۵۰، مطبوعۃ: کتب خانہ مجیدیہ، ملتان

[2] الجامع الصحيح البخاري، المجلد (۱)، کتاب (۳) العلم، باب (۳۹) إثم من كذب على النبي ﷺ رقم الحديث: ۱۰۹، مطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۲۰ھ۔۱۹۹۹م

دوسری روایت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

''مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ'' [1]

یعنی، جو مجھ پر دانستہ جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

جہاں تک عقیدۂ حیات الانبیاء علیہم السلام کا تعلق ہے تو اس کے ثبوت پر جملہ علماء متقدمین ومتاخرین کا اتفاق ہے۔اس اتفاق کو شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) یوں نقل فرماتے ہیں:

انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات علماء ملّت کے درمیان متفق علیہ ہے اور کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ انبیاء کی زندگی، شہداء اور فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کی زندگی سے کامل تر اور قوی تر ہے۔شہداء کی زندگی معنوی اور اُخروی ہے اور انبیاء کی زندگی حِسّی اور دنیاوی ہے۔اس بارے میں احادیث وآثار واقع ہیں۔ [2]

عقیدۂ اہلسنّت ...... حیات الانبیاء علیہم السلام کے متعلق مذہبِ حقّہ اہلسنّت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ :۔

''تمام انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ حیات حقیقی اور جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں، اپنی نورانی قبور میں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، گوناگوں لذتیں حاصل کرتے ہیں، سنتے ہیں، دیکھتے ہیں، جانتے ہیں، کلام فرماتے ہیں، سلام کرنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں، چلتے پھرتے، آتے جاتے ہیں، جس طرح چاہتے ہیں تصرفات فرماتے ہیں، اپنی اُمتوں کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں، مستفیضین کو فیوض و برکات پہنچاتے ہیں۔اس عالمِ دنیا میں بھی ان کے ظہور کا مشاہدہ ہوتا ہے۔آنکھوں والوں نے ان کے جمال جہاں آراء کی بارہا زیارت کی ہے اور ان کے انوار سے مُستنیر ہوئے ہیں۔ (۳)

[1] الجامع الصحيح البخاری المجلد (۱)، كتاب (۳) العلم، باب (۳۹) إثم من كذب على النبی ﷺ ، رقم الحديث: ۱۱۰، مطبوعة دار الكتب العلميه، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۲۰ھ ۱۹۹۹م

[2] مدارج النبوة ، فارسی ، المجلد ۲ ، صفحه ۴۴

[3] مقالات کاظمی، جلد ۲، رسالہ حیات النبی ﷺ صفحہ نمبر ۱، مطبوعہ مکتبہ فریدیہ ساہیوال، ۱۳۹۸ھ

ماضی میں جب کبھی کسی فریق باطل کی جانب سے حیات الانبیاء کا سوال اٹھایا گیا تو متعدد علماء ومحدّثین نے مستقل رسائل وکتب لکھ کر ان کا کافی شافی وافی رد فرمایا جیسے:۔

امام بیہقی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۴۵۸ھ) نے ''حيات الأنبياء بعد وفاتهم'' اور امام جلال الدین السیوطی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۹۱۱ھ) نے ''إنباء الأذكياء بحياة الأنبياء'' اور امام ابوالحسن صغیر سندھی علیہ الرحمۃ (من أعلام القرن الثاني الهجری) نے ''إنباء الأنبا بحياة الأنبياء''

اس کے علاوہ بھی علماء کرام نے اس موضوع پر لکھا ہے۔جیسے امام سبکی وغیرہ اور بعض نے اپنی کتب میں انبیاء علیہم السلام کے حیات ہونے پر ابواب باندھ کر اس کے تحت احادیث مبارکہ سے اس عقیدہ کو ثابت کیا ہے جیسے امام سخاوی نے "القول البديع" میں۔ چونکہ یہ تمام رسائل عربی میں ہیں اس لئے ان سے استفادہ ایک خاص طبقہ تک محدود ہے اور عوام کا اکثر حصہ عربی سے عدم واقفیت کی وجہ سے ان کتب کے مطالعہ سے محروم ہے۔لہٰذا ''بزمِ اُویسیہ رضویہ'' نے ارادہ کیا کہ اس موضوع پر جس قدر رسائل دستیاب ہوسکیں انہیں اُردو کا جامہ پہنا کر قارئین کی بارگاہ میں پیش کیا جائے۔پیشِ نظر رسالہ ''إنباء الأذكياء بحياة الأنبياء'' اسی سلسلہ کی پہلی اور ہمارے ادارہ کی چوتھی اشاعت ہے۔اس سے قبل تین کتابیں (۱) ''قیامت کی نشانیاں'' ترجمہ ''الإشاعة لأشراط الساعة''

(۲) ''معارف النّجاة فی مصارف الزّكوٰة'' المعروف ''زکوٰۃ کسے دیں؟''۔

(۳) ''جدید مسائل کے شرعی احکام'' قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرچکے ہیں۔

پیشِ نظر رسالہ کے مصنف خاتم الحفاظ امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی الشافعی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۹۱۱ھ) ہیں۔ جب کہ اردو ترجمہ مفسرِ اعظم پاکستان، شیخ الحدیث مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی دامت برکاتہم القدسیہ نے فرمایا ہے۔

[1] مترجم موصوف تین ہزار کتب ورسائل کے مصنف، مؤلف اور مترجم ہیں۔

آپ نے دورانِ ترجمہ مناسب مقامات پر فوائد اویسی کے عنوان سے افادات تحریر فرمائے ہیں نیز ابتداء میں مقدمہ اور آخر میں فوائد کا تتمہ تحریر فرما کر کتاب کی افادیت کو اور بڑھا دیا ہے۔

مسئلہ حیات الانبیاء کی اہمیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہمارے ادارے نے اس پر مزید علمی تحقیق وتخریج کا عزم کیا۔ جس کی تکمیل کے لئے ایک کہنہ مشق عالمِ دین کی ضرورت تھی اس سلسلے میں ہم نے جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان کے شعبہ مرکز التحقیقات الشرعیہ والثقافۃ الاسلامیہ سے رابطہ کیا اور فاضل جلیل عالم نبیل علامہ مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی مدظلہ العالی کی خدمات حاصل کیں۔ حضرت مفتی صاحب کے تحقیقی فتاوی ورسائل جیسے ''**طلاق ثلاثہ کا شرعی حکم**''، ''**لباس کی سنتیں اور آداب**'' وغیرہما آپ کے علمی فضل پر دال ہیں۔ آپ سے ہم نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے بخوشی اس کام کو قبول فرما لیا۔ آپ نے تدریسی، تصنیفی مصروفیات اور فتویٰ نویسی کی ذمہ داریوں کے باوجود اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور اب یہ کتاب قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے۔

''**بزم اُویسیہ رضویہ**'' کے اراکین اس کتاب کو قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے ان تمام حضرات کے نہایت مشکور وممنون ہیں جنہوں نے اس کی اشاعت میں ہماری معاونت فرمائی خصوصاً۔

حضور مفتی محمد فیض احمد اویسی صاحب، حضور مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی صاحب، اور حضرت علامہ ابوالرضا محمد طارق قادری عطاری صاحب جنہوں نے بالاستیعاب مطالعہ فرما کر کتاب کی پروف ریڈنگ فرمائی اور فاضل مدرسہ جمعیت اشاعت اہلسنّت مولانا ابوالضیاء محمد فرحان قادری رضوی صاحب نے عربی کتاب کی جدید کمپوزنگ اور بیش بہا تخریج رقم فرمائی۔

رکن مجلس شوریٰ جمعیت اشاعت اہلسنّت اور جمعیت کے شعبہ مرکز التحقیقات النصوص

الشرعیہ والثقافۃ الاسلامیہ کے رکن اور جمعیت کے مدرسہ درس نظامی کے استاد حضرت علامہ مولانا ابوحماد محمد مختار اشرفی صاحب جنہوں نے فہارس کی ترتیب کی خدمت انجام دی اور مولانا محمد جاوید مینگرانی صاحب کے مفید مشوروں نے کتاب کی تصحیح میں مدد فرمائی۔

ہم ان تمام حضرات کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمر میں برکت عطا فرمائے اور علم دین کی خدمت کے لیے انہیں صحت وفرصت دے اور ہم سب کو علم دین کی ترویج واشاعت کی توفیق مرحمت فرمائے۔

آخر میں قارئین سے التماس ہے کہ کتاب میں اگر کوئی غلطی یا خامی ملاحظہ فرمائیں تو ضرور بزم کو مطلع فرما کر عند اللہ تعالیٰ ماجور ہوں۔ اور اپنی قیمتی آراء سے ضرور مستفید ومستفیض فرمائیں۔

فقط والسلام مع الإکرام

الفقیر القادری محمد یوسف اُویسی رضوی غفرلہٗ

خادم بزم اُویسیہ رضویہ کراچی-0300-2775597

۱۱ ربیع النور شریف ۱۴۲۶ھ / ۲۱ اپریل ۲۰۰۵ء

بروز: جمعرات

رسالہ پر ہمارا کام

1۔ ترجمہ میں عبارت کو واضح کرنے کے لئے واوین میں تشریح یا معنیٰ لکھا گیا جو اکثر مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی کے تحریر کردہ ہیں کہیں کہیں علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی کے لکھے ہوئے ہیں اور ان کا خط سائز میں متن سے چھوٹا رکھا گیا ہے۔

2۔ علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی اپنی عادت کے مطابق دورانِ ترجمہ فوائد تحریر فرماتے ہیں جن کی نشاندہی کرنے کے لئے ان کو واضح کرنا ضروری ہوتا ہے ورنہ کتاب اور فوائد میں امتیاز نہیں ہوتا۔ اس لئے ہم نے افادات کے خط کو چھوٹا کرنے کے علاوہ ان کے اوّل میں ''فوائد اویسی'' اور آخر میں ''فوائد اویسی ختم ہوئے'' لکھ دیا ہے۔ اور جو فوائد آخر میں ہے ان کے حروف کا سائز چھوٹا نہیں کیا گیا بلکہ وہاں پر تصریح کر دی گئی ہے کہ یہ اضافہ ہے۔

3۔ اردو ترجمہ کے تحت احادیث کی تخریج اور احادیث پر بحث اور علامہ فیض احمد اویسی صاحب کے ترجمہ کا اصل عربی سے تقابل اور ترجمہ کی نوک پلک کی درستگی نیز علمی تعلیقات کا کام حضرت علامہ مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی صاحب نے انجام دیا ہے۔ جبکہ اصل عربی رسالہ پر تخریج مولانا ابو الضیاء محمد فرحان قادری صاحب کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

4۔ قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ " کنز الایمان " سے نقل کیا گیا ہے، آیت اور سورت کا نمبر بھی لگایا گیا ہے۔

5۔ اردو ترجمہ اور مقدمہ وفوائد اویسی کے مضامین کی مکمل فہرست تحریر کر دی ہے۔

6۔ قرآن کریم کی آیات جو "انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء" یا مقدمہ یا فوائد میں آئی ہیں

سب کی مکمل فہرست تحریر کی گئی ہے۔

7۔ ترجمہ، تحقیق وتعلیق میں موجود احادیث وآثار صحابہ وتابعین کی مکمل اردو، عربی فہرست اور دیگر فہارس کی ترتیب کا کام علامہ محمد مختار اشرفی صاحب نے انجام دیا ہے۔

8۔ ابتدائیہ کے عنوان سے سواد اعظم کی شرعی حیثیت اور عقیدہ توحید اور عقیدہ رسالت خصوصاً عقیدۂ حیات الانبیاء پر مختصر مگر جامع بحث اور مؤلف اِنباء الأذکیاء علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کے مختصر حالات اور علمی خدمات کا تذکرہ ہے، جسے مرکز تحقیقات النصوص الشرعیہ کے رکن حضرت علامہ محمد ذاکر اللہ نقشبندی نے تحریر کیا ہے۔

9۔ "إنباء الأذکیاء بحیاۃ الأنبیاء" کے اردو ترجمہ میں احادیث اور آثار صحابہ وآثار تابعین کا عربی متن تحریر کیا گیا ہے اور ان پر اعراب لگائے گئے ہیں۔

10۔ اردو ترجمہ کے ساتھ عربی مکمل رسالہ کے شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جس پر ایک مختصر مگر جامع مقدمہ ہے جو سواد اعظم کے ساتھ رہنے کی ضرورت، عقیدۂ توحید و رسالت کی توضیح اور حیات الانبیاء کی تشریح اور مؤلف کے حالات پر مشتمل ہے، جسے رکن مرکز تحقیقات النصوص الشرعیہ حضرت علامہ مولانا محمد ذاکر اللہ نقشبندی نے تحریر کیا ہے۔

مرکز التحقیقات النصوص الشرعیہ والثقافۃ الاسلامیہ

نور مسجد کاغذی بازار، میٹھادر، کراچی۔

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

نحمده ونصلّي ونسلّم علىٰ رسوله الكريم

أمـابعـد ! پس وہ عقیدہ جو آخرت میں جہنم سے نجات دلانے والا ہے وہ اہلِ سنّت وجماعت کے سلف صالحین کا عقیدہ ہے اور یہی حضور اکرم ﷺ کے ظاہری زمانے سے لیکر قیامت کے دن تک مسلمانوں کی اکثریت کا عقیدہ ہے، جیسا کہ امام ولی الدین تبریزی علیہ الرحمہ نے "مشكوة المصابيح" كتاب المناقب، باب ثواب هذه الأمة (برقم: ۳/۶۲۸۵) میں ذکر کیا ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ " لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ " متفق عليه

یعنی، ہمیشہ میری امت سے ایک ایسا گروہ ہوتا رہے گا کہ اللہ کے احکام کا پابند ہوگا انہیں ضرر نہیں پہنچا سکے گا وہ جو ان کی مدد ترک کردے اور نہ وہ جو ان کی مخالفت کرے یہانتک کہ اللہ کا حکم آجائے (موت یا قیامت) اور یہ گروہ اسی کا پابند ہوگا۔

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل ہروی نے اپنی "مسند" (جلد چہارم، صفحہ ۱۰۱) میں جبکہ امام بخاری نے اپنی "صحیح" کے كتاب المناقب میں اور "كتاب التوحيد والرد على الجهيمية" اور امام بغوی نے "مصابيح السنّه" میں ذکر کیا ہے جن کا تفصیلی ذکر کتاب کی عربی تقدیم میں ہے امام بخاری کی "صحیح" میں دو مختلف جگہوں پر اس کا تذکرہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ حدیث اہلِ حق کی منقبت اور تعریف میں وارد ہوچکی جبکہ کتاب التوحید

میں فرقہ جہیمیہ پر ردّ کرنے کے محل میں اسکا ورود اس بات کی دلیل ہے کہ اہلِ سنّت وجماعت ہی اہلِ حق ہیں کیونکہ امام اہلِ سنّت حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ جس شخص پر کفر کا فتویٰ لگا کر اپنی مجلسِ علم حدیث سے برخواست کیا تھا وہ جہم بن صفوان ہی تھا تو عربی کی مشہور مثال کے مقتضاء کے مطابق جس میں کہا گیا ہے تُعْرَفُ الْأَشْيَاءُ بِأَضْدَادِهَا ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے امام بخاری علیہ الرحمہ کی اسلوب سے احقاقِ اہلِ سنّت ثابت ہوتا ہے اور یہ کہ طائفہ منصورہ اور فرقہ ناجیہ یہی ہے اسلئے کہ مسلمانوں کی اکثریت اسی پر قائم ہے جو کہ بنص حدیث حقانیت کی دلیل ہے جیسا کہ امام بغوی ہروی "مصابيح السنه" (حدیث نمبر ۱۲۸) میں جبکہ امام ابن ماجہ قزوینی خراسانی اپنی "سنن" (حدیث نمبر ۳۹۵) میں حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ "۔

یعنی، مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت کی پیروی کیجئے پس بیشک جو اس سے تنہا ہوجائے (تفرد اور شذوذ اختیار کرے) تو جہنم میں بھی اکیلا پڑا رہیگا۔

جبکہ امام ابن ماجہ قزوینی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے " إِنَّ أُمَّتِي لَا تَجْتَمِعُ عَلٰى ضَلَالَةٍ فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلَافاً فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ "۔

یعنی، بیشک میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی ہے جب تم نے اختلاف دیکھو تو تم پر لازم ہے بڑی جماعت کی پیروی کرو۔

اور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اس حدیث شریف میں لفظ سوادِ اعظم، کے مصداق صرف اور صرف اہلِ سنّت وجماعت قرار دیئے جاتے ہیں جنہوں نے کسی بھی دور میں اپنے وجود کو مٹنے نہیں دیا کبھی متکلمین تو کبھی اصحاب الحدیث اور کبھی صوفیاء کرام اور کبھی

ماتریدی، اشعری اور کبھی حنفی مالکی، شافعی، حنبلی کی شکل میں موجود رہے جو کہ لفظ " لَا يَزَالُ " کا زندہ مصداق ہے اس بات کی مزید پختگی اور تائید کیلئے شارح درمختار علامہ سید احمد طحطاوی مصری علیہ الرحمہ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں والمراد من الجماعة عند أهل العلم ، أهل الفقه والعلم ومن فارقهم قدر شبر وقع فی الضلالة وخرج عن نصرة الله ودخل فی النار لأن أهل العلم والفقه هم المهتدون المتمسّكون بسنّة محمد عليه الصلاة والسلام وسنّة الخلفاء الراشدين بعده ومن شذّ عن جمهور أهل الفقه والعلم والسواد الأعظم فقد شذّ فيما يدخله فی النار فعليكم معاشر المؤمنين باتباع الفرقة الناجية المسمّاة بأهل السنّة والجماعة فإن نصرة الله و حفظه و توفيقه فی موافقتهم وخذلانه وسخطه ومقته فی مخالفتهم وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم فی مذاهب أربعة وهم الحنفيّون ، والمالكيّون ، والشافعيّون ، والحنبليّون رحمهم الله ومن كان خارجاً عن هذه الأربعة فی هذا الزمان فهو من أهل البدعة والنّار (حاشيه الطحطاوی علی الدر المختار)

یعنی ،اور جماعت سے اہلِ علم و دانش کے نزدیک اہلِ علم و اہلِ فقہ مراد ہیں اور جو ان سے (عقائد میں) ایک بالشت کی مقدار بھی الگ ہو جائے وہ گمراہی میں واقع ہوا اور اللہ کی مدد و نصرت سے نکل گیا اور آگ میں داخل ہو گیا کیونکہ اہلِ فقہ و دانش ہی نبی کریم ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کے بعد آپ کے خلفائے راشدین کے طریقے پر صحیح تمسک کر رہے ہیں (یعنی صحیح طور پر چمٹے ہوئے ہیں) اور جس نے جمہور اہلِ فقہ سے شُذُوذ اور تفرُّد (یعنی جدائی) اختیار کیا اور اہلِ علم کے سوادِ اعظم اور بڑے گروہ سے تنہا ہوا یقیناً یہ شُذُوذ انہیں جہنم میں داخل کر دیگا تو تمام مسلمان گروہوں اور جماعتوں پر واجب ہے کہ نجات پانے والے گروہ جن کا نام اہلِ سنت و جماعت ہے کی اتباع کریں کیونکہ اللہ کی نُصرت و حفظ و توفیق

ان سے موافقت کرنے میں ہے اور اللہ کیجانب سے رسوائی اور غضب اور ناراضگی ان کی مخالفت میں ہے اور یہ نجات پانیوالا گروہ آج چار مذاہب میں منحصر ہے وہ چار گروہ حنفی، مالکی ،شافعی، حنبلی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب پر رحم فرمائے جو صحیح طور پر ان چار مذاہب پر قائم ہیں اور ان کی موافقت کرنے والے ہیں اور جو ان چار مذاہب سے خارج ہیں (یا صرف ان مذاہب کا نام استعمال کرتے ہیں تو وہ اہلِ بدعت (بدعقیدہ) ہیں اور جو ان مذاہب اربعہ حقہ کی پیروی کرنے والوں یا قرآن وسنّت سے ثابت عقائد کے حاملین کو کافر قرار دیتے ہیں) وہ خود کافر ہیں اور اہلِ نار ہیں۔

جب یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ صرف فرقہ اہلِ سنّت و جماعت تمام فرقوں میں نجات پانے والا ہے تو مناسب یہی ہے کہ اس جماعتِ حقہ کے چند عقائد کو بیان کیا جائے۔

1۔اہلِ سنّت و جماعت اللہ تعالیٰ جل جلالہ کو ایک مانتے ہیں اور اس کے تمام اسماء وافعال و صفات مختصہ میں اسے یکتا مانتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ نہ جسم ہے نہ تقسیم ہو سکتا ہے اور نہ کسی جگہ کا محتاج ہے اور نہ اس کیلئے کوئی جہت اور مکان ثابت ہے نہ اس پر تغیرات آتی ہیں نہ اپنی مخلوق میں سے کسی شی کی طرح ہے جیسے کہ کوئی شی اس کی طرح نہیں حلول حوادث (تغیر احوال وتبدل ظروف) سے منزہ اور پاک ہے نہ کسی مکان نے اس پر احاطہ کیا ہے نہ کوئی زمانہ اور وقت اس پر گذرتا ہے اور اللہ عزوجل کیلئے صفات ہیں جو ثبوتیہ ہیں اور محکمات ہیں اسکے حقیقی معنی پر ہمارا ایمان ہے یہ عقیدہ رکھتے ہوئے کہ اگر کہیں شرکت ہے تو صرف اسمی اور حروف کی یکسانیت کی نہ کہ اصل معنی اصطلاحی میں اور کچھ صفات ثبوتی ہیں مگر متشابہات ہیں ہم ان کو بھی مانتے ہیں کیونکہ ان پر ایمان واجب ہے معنی اور ترجمہ کے مطابق یا کیفیت کے حوالے سے سوال بدعت و بدعقیدگی ہے لیکن بعض مجسمہ کو

اس سے ایک اشتباہ ہوا ہے اوراس کے تراجم مختلف زبانوں میں کر رہے ہیں اور یہی حقیقی معنٰی لے کر جسمیت کا قول کرتے ہیں جو کہ ایک پرانا شرک اور ہندومت کو نئے لباس میں پیش کرنے کے مترادف ہے تو اہلِ سنّت و جماعت نہ تشبیہ خالق بالمخلوق کے قائل ہیں اور نہ مخلوق کو خالق کی صفات ثابت کرنے کے حق میں ہیں بلکہ تشبیہ کی جگہ تنزیہ اور تعطیل کی جگہ اثبات کے قائل ہیں اور ہر اُس تأویل سے احتراز کرتے ہیں جو قرآن اور سنت سے مخالف، اور شرح مفردات لغتِ عرب میں اس کی گنجائش نہ ہو۔

2۔ یہ بھی اہلِ سنّت والجماعت کے عقائد اجماعیہ میں سے ہے کہ انبیاء کرام ورُسُل عظام سلام اللہ وصلوٰتہ علیہم اجمعین کی تصدیق کرنا ان جمیع امور میں جو وہ اللہ کی کیطرف سے لیکر آئے ہیں اجمالی تصدیق ان امور میں جو بدیہیات اور ضروریاتِ دین میں سے ہیں لیکن اجمالاً ثابت ہیں اور تفصیلی تصدیق ان مسائل میں جو تفصیلاً ثابت ہیں

3۔ اور یہ کہ وہ جمیع حقوق، صفات و خصائص انبیاء کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات کو ثابت کریں جو اللہ عزوجل نے انہیں دی ہیں جن میں سے ایک خاصیت بعد از وصال حیات اور زندگی ہے ایسی زندگی جو کہ شہداء کرام کی زندگی سے اعلیٰ وارفع ہے۔ اور اس موضوع پر ائمہ دین میں سے مختلف علماء نے قلم اٹھایا ہے جن میں سرِ فہرست امام بیہقی خراسانی ہیں اور متاخرین میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کی کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے امام جلال الدین سیوطی شافعی علیہ الرحمہ سرزمین مصر پر وہ عظیم مجاہد ہیں جنہوں نے اپنی زندگی دین مبین اسلام کی خدمت اور مسلک حق اہلِ سنّت و جماعت اور صوفیاء کرام قدس اللہ اسرارہم کے دفاع کیلئے وقف کردی تھی آپ کی ولادت سرزمین مصر پر ۸۴۰ھجری میں اور وفات ۹۱۱ھ، شب جمعہ آخری پہر جمادیٰ الاولیٰ کی ۱۷ تاریخ کو ہوئی اور آپ نے ۷۱ سال عمر پائی آپ نے پوری زندگی درس، تدریس، مذاہبِ باطلہ کی تردید اور مذہبِ اہلِ حق کے احقاق میں صرف

کردی حصول علم کیلئے آپ نے مختلف اسلامی بلاد کیطرف رختِ سفر باندھا جن میں شام، حجاز مقدس، ہندوستان تکمری، یمن، المغرب اور علاقہ تکرور قابل ذکر ہیں یہانتک کہ آپ نے آخر عمر میں افتاء (فتویٰ نویسی) اور تدریس کو خیر باد کہا اور عمر کے آخر میں آپ نے تألیفات پر نظر مرکوز کردی اور عبادت خالق کیلئے خلق سے الگ ہوکر گوشہ نشین ہوگئے اور زندگی کی آخری سانس تک اسی حالت میں رہے اور وصال کے بعد آپ کو بیرون قرافہ گیٹ قاہرہ میں حوش قوصون کے مقام پر دفن کیا وہاں پر آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔ جس میں آپ بالذات تو آسودۂ لحد ہیں لیکن اصلاح عقائد و اعمال پر درج ذیل مشہور ومعروف علمی رسائل لکھنے کی وجہ سے آپ کے علم کا شہرہ اور چرچا زندہ ہے آپ کی چند مشہور تألیفات درج ذیل ہیں:۔

۱۔ حُسن المقصد فی عمل المَولد ۲۔ تنزیه الأنبياء عن تسفيه الأغبياء ۳۔ الحبل الوثيق فی نصرة الصديق ٤۔ القول الفصيح فی تعيين الذبيح ٥۔ المصابيح فی صلاة التراويح ٦۔ القول الجلی فی حديث الولی ۷۔ قطف الثمر فی موافقات عمر ۸۔ نتيجة الفكر فی الجهر بالذكر ۹۔ الدر المنظّم فی الإسم الأعظم ۱۰۔ المِنحة فی السبحة ۱۱۔ العُجالة الزرنبيّة فی السُّلالة الزينبيّة ۱۲۔ الدرة التاجيّة على الأسئلة الناجيّة ۱۳۔ العَرف الوردی فی أخبار المَهدی ۱٤۔ الكشف عن مجاوزة هذه الأمة الألف (اسی موضوع پر ہندوستان کے عظیم فقیہ بڑیچ خاندان کے چشم و چراغ فخر افغان امام احمد رضا خان قادری قندہاری ثم بریلوی رحمہ اللہ نے اپنے علمی شاہکار ''فتاویٰ رضویہ'' میں خوب بحث کی ہے۔ذ) **۱٥۔ اتحاف الفرقة برَفوِ الخرقة** (یہ حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ کے سماع پر علمی بحث اور اصولی مناقشہ ہے

جو کہ اہلِ طریقت اور طالبان حقیقت کیلئے بیحد مفید ہے۔ز) ١٦۔ **بلوغ المأمول فی خدمة الرّسول صلّی الله عليه وسلّم** ١٧۔ **تنزيه الإعتقاد عن الحلول والإتّحاد** (امام سیوطی علیہ الرحمہ نے حشویہ اور حلولیہ اور فرقہ مجسمہ کا بطلان واضح کیا ہے ۔ز) ١٨۔ **إتمام النعمة فی اختصاص الإسلام بهذه الأمة** ١٩۔ **تزيين الأرائک فی إرسال النّبی صلی الله عليه وسلم إلى الملائک** ٢٠۔ **كتاب الإعلام بحكم عيسیٰ عليه السّلام** ٢١۔ **تحفة الجلساء برؤية الله للنّسآء** ٢٢۔ **مسالک الحُنفاء فی نجاة والدی المصطفیٰ صلّی الله عليه وسلّم** (والدین مصطفیٰ علیہما الصلوات والتسلیمات کے ایمان کو جہاں علماء نے اپنی بحث کا محور بنایا ہے وہاں امام احمد رضا غزنوی قندھاری بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی اس کا حق ''فتاویٰ رضویہ'' میں ادا کیا ہے جبکہ ایک مختصر رسالہ " شمول الإسلام لأصول الرسول الكرام ﷺ " کے نام سے بھی تحریر فرمایا ہے۔ز) ٢٣۔ **الخبر الدّال على وجود القطب والأوتاد والنّجباء والأبدال** (اسی موضوع پر علماء احناف کے مشہور فقیہ امام سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے بھی ایک رسالہ " إجابة الغوث بأحوال النقباء والنجباء والأقطاب والغوث " کے نام سے تصنیف فرمایا ہے جو ان کے مجموعہ رسائل کے ضمن میں طبع ہو چکا ہے۔ز) ٢٤۔ **تنوير الحَلَک فی رؤية النّبی جهاراً والملک** (یہ کتاب اپنے موضوع میں منفرد ہے تجسد ارواح پر علمی شاہکار اور ان کا ذاتی مشاہدہ اور تجربہ اسکی تیقین کو اور بڑھاتا ہے کیونکہ آپ رحمہ اللہ نے بار ہا بار آقا ﷺ کو عالم بیداری میں بچشم سر دیکھا جیسے کہ امام ابو الفلاح عبد الحی بن عماد نے امام عبد الوہاب الشعرانی علیہ الرحمہ کی " شذرات الذهب " کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے عالم بیداری میں ایک درخت کے نیچے آٹھ مرتبہ صحیح بخاری شریف پڑھی ہے۔ز)

اور ان کتب میں سے ایک کتاب " **إنباء الأذكياء فی حياة الأنبياء** عليهم السلام " جو انبیاء کرام کی حیات بعد از وصال کے موضوع پر ایک علمی تصنیف ہے جو امام سیوطی علیہ الرحمہ کی حدیث میں وسعت علمی کی دلیل ہے اسکا اردو ترجمہ حضرت شیخ الحدیث والتفسیر علامہ فیض احمد اویسی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے فرمایا جبکہ تحقیق نص اور تخریج وتعلیق کا پُر مشقت کام جمعیت اِشاعت اہلِ سنّت کے دار الافتاء کے رئیس عالم باعمل مفتی اہل سنت حضرت العلامہ مولانا محمد عطاء اللہ نعیمی حفظہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جمعیت کے شعبہ مرکز تحقیقات النصوص والشرعیۃ والثقافۃ الاسلامیہ کے تحت انجام دیا اللہ عزوجل ان دونوں بزرگوں کی کاوش کو قبول فرمائے اور اللہ عزوجل ''**بزم اویسیہ رضویہ**'' اور ''**جمعیت اشاعت اہلِ سنّت**'' کو دن رات ترقیاں عطاء فرمائے اور ان پر اولیاء اللہ اور اکابرین اہلِ سنّت کا سایہ قائم و دائم فرمائے۔

وصلی الله علیٰ خير خلقه سيدنا محمد وعلیٰ آله وصحبه وسلم

محمد ذاكر الله نقشبندی

رکن مرکز **تحقیقات النصوص** الشرعیّة والثقافة الإسلامیّة

لجمعیّة **إشاعة أهل السنّة**، نور مسجد، میتادر، کراتشی

مقدمہ

حَمْدًا لَّکَ یَاحَکِیْمُ یَاعَلِیْمُ اَنْتَ حَیٌّ قَیُّوْمٌ قَدِیْمٌ وَالصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمُ عَلٰی حَبِیْبِکَ الْکَرِیْمِ الرَّؤُوْفِ الرَّحِیْمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ شَیَّدُوْا دِیْنَہُ الْقَوِیْم.

أمـا بـعـد! فقیراویسی رضوی غفرلہٗ پہلے ایک مقدمہ عرض کرتا ہے تاکہ حیاۃ الانبیاء علیہم السلام کوآسانی سے سمجھا جاسکے۔

۱)......جوشخص حیات الانبیاء علیہم السلام کو نہیں مانتا یاشش وپنج اورشک وشبہ میں ہے تو وہ مذہب اہلِ سنّت وجماعت سے خارج ہے کیونکہ تمام علماء کرام متقدمین ومتاخرین اورصوفیاء وفقہاء محققین حیات الانبیاء کو بلاحیل وحجت تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔غرض حیاتُ الانبیاء علیہم السلام کو ماننے والے ہی صراطِ مستقیم اورراہِ راست پر ہیں اورمنکرین گمراہ اورمردود ہیں کیونکہ اجماع کامنکر نہ صرف گمراہ بلکہ جہنمی ہے جیساکہ احادیث نبویہ ﷺ سے واضح ہے۔

کسی شاعرنے کہا ؎

یہ وہ راستہ ہے سیدھا جوجنت کوگیا — غیراس کے کُلُّھُمْ فِی النَّار حضرت نے کہا

۲)......ہماراعقیدہ ہے کہ بحکم آیت۔

﴿کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ﴾ الآیۃ(آل عمران:۳/۱۸۵)

ترجمہ:ہرجان کوموت چکھنی ہے۔(کنزالایمان)

موت حق ہے لیکن مرنے کے بعدسب لوگوں کی حالت یکساں نہیں بلکہ ان میں فرق ہے۔اگرچہ بظاہر کچھ فرق معلوم نہیں ہوتا لیکن شارع ﷺ نے فرمایا ہے اسی لئے ہم اسے

برحق ماننے کے مامور ہیں۔شارع ﷺ نے جوفرق بتایا ہے وہ ہم ان شاءاللہ آگے چل کر عرض کریں گے۔

۳)......موت مرمٹنے کا نام نہیں بلکہ قلبِ مکانی (مکان بدلنے) کوکہاجاتا ہے چنانچہ ''مختصر تذکرہ قرطبی''اور''شرح الصدور''وغیرہ میں ہے۔''الموت لیس بفناء بل ھو إنتقال من مکانٍ إلی مکانٍ آخر.''

یعنی،موت محض فنا کانام نہیں بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہونے کانام ہے۔

۴)......ہر شے کی موت علیحدہ علیحدہ حقیقت رکھتی ہے بلکہ انسانوں میں موت مختلف الاحوال ہے اورعام انسان اورمؤمن کی موت میں بہت فرق ہے مثلاً کامل مؤمن کی موت کے متعلق حدیث شریف[1] میں ہے۔

"اَلْمَوْتُ رَیْحَانَۃُ الْمُؤْمِنِ"۔

یعنی،مومن کی موت خوشبودار ہے۔

اورفرمایا:"اَلْمَوْتُ جَسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ إِلَی الْحَبِیْبِ".

یعنی،موت پل ہے جوایک دوست کودوسرے تک پہنچاتی ہے۔

۵)......موت بھی ایک ذی جسد شے ہے ایسے ہی حیات بھی،موت کی شکل مینڈھے اورحیات کی صورت گھوڑے جیسی ہے۔(شرح الصدوروتفسیر مظہری)

۶)......روح کے حق میں موت کی معنی صرف یہ ہیں کہ وہ بدن سے خارج ہوجائے یہ نہیں کہ موت روح کو معدوم(فنا) کردے اس لئے کہ موت کے بعد ارواح کاباقی رہنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے اس کی تحقیق فقیر نے رسالہ''روح کوموت نہیں''اورتصنیف

۱؎ اسی طرح حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ تُحْفَۃُ الْمُؤْمِنِ اَلْمَوْتُ (یعنی مومن کاتحفہ موت ہے)۔رواہ البیہقی فی "شعب الإیمان"،(۷/۱۷۱،برقم:۹۸۸۴)

''الفتوح فیما فی الروح'' میں لکھ دی ہے۔ مختصر طور پر یہاں عرض کرتا ہے۔

قرآن سے استدلال

﴿يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ الآية (آل عمران: ۳/۱۶۹۔۱۷۰)

ترجمہ: روزی پاتے ہیں، شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا۔ (کنزالایمان)

فائدہ:...... اگر ان کی ارواح معدوم ہو جائیں تو اجسام بھی ''جماد'' محض ہو کر رہ جائیں گے ایسی صورت میں ان کو رزق دیا جانا اور ان کا خوش باش رہنا کیونکر متصور ہو سکتا ہے۔

﴿قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ، قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَلِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ﴾ (یٰسٓ: ۳۶/۲۶۔۲۷)

ترجمہ: اس سے فرمایا گیا کہ جنت میں داخل ہو، کہا کسی طرح میری قوم جانتی جیسی میرے رب نے میری مغفرت کی اور مجھے عزت والوں میں کیا۔ (کنزالایمان)

فائدہ:...... یہ تو شہداء اور مومنین کے بارے میں ارشاد خداوندی تھا اب کفار کے حق میں ملاحظہ فرمایئے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ﴾ (الأعراف: ۷/۴۰)

ترجمہ: وہ جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان کے مقابل تکبر کیا، ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے، اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں، جب تک سوئی کے ناکے اونٹ داخل نہ ہو، اور مجرموں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ (کنزالایمان)

فائدہ:...... اس آیت سے ثابت ہوا کہ مجرمین کی ارواح بھی موت کے بعد معدوم نہیں

ہوتیں بلکہ انہیں آسمانوں پر لے جایا جاتا ہے اور آسمانوں پر جانے کے بعد انتہائی ذلّت سے واپس آتی ہیں اور اپنے جرائم کا بدلہ پاتی ہیں۔

استدلال از احادیث

حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ابتداء میں جب سماعِ موتٰی کا انکار کیا تھا تو ارواح کے علم کا انکار نہیں فرمایا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

قَالَتْ: إِنَّمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "إِنَّهُمْ لَيَعْلَمُوْنَ الْاٰنَ أَنَّ مَا كُنْتُ أَقُوْلُ لَهُمْ حَقٌّ".[1]

یعنی: حضور ﷺ نے صرف اتنی بات ارشاد فرمائی تھی کہ مقتولین بدر اب اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو کچھ میں ان سے کہتا تھا وہ حق ہے۔

اس کے علاوہ احادیث صحیحہ کثیرہ میں مرنے کے بعد تنعیم وتعذیب (انعام وعذاب) کا بیان وارد ہے سب اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ مرنے کے بعد ارواح معدوم نہیں ہوتیں۔ بلکہ علم وادراک، سمع وبصر، قول وعمل کے ساتھ متصف ہو کر موجود رہتی ہیں۔

فائدہ:...... ابن قیم نے اس مسئلہ کو وضاحت سے لکھا ہے کہ روح کی موت صرف اتنی ہے کہ وہ جسم سے خارج ہوئی اور بس۔ کیونکہ روح امرِ ربّی ہے۔[2] چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (بنی اسرآئیل: ۱۷/۸۵)

ترجمہ: اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں، تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔ (کنزالایمان)

---

[1] اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' کے کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر (رقم الحدیث: ۱۳۷۱) میں، اور کتاب المغازی، باب قتل أبی جھل (رقم الحدیث: ۳۹۷۹۔۳۹۸۰) میں روایت کیا ہے۔

[2] الروح لابن القیم، المسئلة الرابعة، أن الروح ھل تموت أم الموت للبدن وحده ص ۴۷، مطبوعة: دار الفکر، بیروت الطبعة الأولیٰ ۱۴۲۴ھ ۲۰۰۳م)

شانِ نزول:......روح کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنے والے یہودی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بھی روح کا علم قلیل ثابت فرمایا۔ جب یہودیوں کے لئے روح کے مسئلہ میں علم قلیل ثابت ہے تو مؤمنین بالخصوص صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم أجمعین اوران کے بعد ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ کے لئے تو یقیناً اس علم قلیل سے زیادہ علم حاصل ہوگا، جس کا یہودیوں کے لئے اثبات کیا گیا۔ پھر حضور ﷺ کی شان تو سب سے بلند ہے اس لئے سب سے زیادہ رُوح کا علم حضور ﷺ کے لئے تسلیم کرنا پڑے گا۔

ازالۂ وہم:......یہ صحیح ہے کہ بعض علماء نے روح کے بارے میں کچھ کہنے سے توقف کیا ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ جن لوگوں نے روح کے متعلق کلام کیا انہیں اس بارے میں سائلین عن الروح (روح کے بارے میں سوال کرنے والوں) سے کہیں زیادہ علم حاصل تھا ورنہ وہ اس نازک مسئلہ میں ہرگز کلام نہ فرماتے۔ مختصر یہ کہ اسی علم کی بناء پر جمہور اہلسنّت نے روح کی تعریف اس طرح کی۔

یعنی، روح جسم ہے پھر انہوں نے جسم کہہ کر کئی قسم کے اقوال بیان کئے سب سے بہتر قول یہ ہے کہ روحیں اجسام لطیفہ ہیں جو اجسام کثیفہ پر چھائی ہوئی ہیں ان کے قیام مع البدن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حیات پائے جانے کی ایک عادت جاریہ مقرر فرمادی ہے یہ جمہور اہلسنّت کا مذہب ہے۔ امام اشعری، علامہ باقلانی اور امام الحرمین وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ وہ عرض خاص ہے اس قائل نے اسے متعین نہیں کیا۔ بعض نے اس کی تعیین بھی کی ہے بعض نے کہا وہ جوہر فرد متحیز ہ ہے اطبّاء کا اتفاق اس امر پر ہے کہ بدن انسان میں تین روحیں ہیں۔

(۱) روح طبعی (۲) روح حیوانی (۳) روح نفسانی۔

اور نفس ناطقہ خاصہ بالانسان کے بارے میں انہوں نے کوئی کلام نہیں کیا جس کے ساتھ اس مقام پر ہماری غرض وابستہ ہے۔[۱]

۱؎ شفاء السقام فی زیارۃ خیر الأنام، الباب التاسع، الفصل الخامس

انسان کیا ہے؟

امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ "شفاء السقام" میں فرماتے ہیں۔ والإنسان فیه جسد ونفس. یعنی، انسان میں دو چیزیں ہیں جسم اور روح۔

فاضل محشی نے اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: یعنی، قوله فیه أمران امام سبکی نے سید صفری سے فرمایا یہاں مسئلہ معاد میں ایک تحقیق ہے جس کی طرف مراجعت کرنی چاہئے ان کی عبارت یہ ہے کہ انسان جسم و روح اور ان تمام معانی کا مجموعہ ہے جو اس میں پائے جاتے ہیں اس لئے کہ وہ جسم جو روح اور اس میں پائے جانے والے معانی سے فارغ ہو اس کا نام شبح اور جثہ رکھا جاتا ہے اسے انسان نہیں کہا جاتا اسی طرح روح مجرد (صرف روح) کا نام بھی انسان نہیں اور ایسے ہی اس میں پائے جانے والے معانی کو بھی علی الانفراد از روئے عرف و عقل انسان نہیں کہا جاتا۔ (شفاء السقام ص ۱۷۷، مطبوعة مصر)

نفس کیا ہے؟

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اصل نفس انسانیہ کی حقیقت ہمارے نزدیک یہ ہے کہ وہ نفس کلیہ کے لئے (حقیقت لطیفہ) کا برزہ یعنی اس کی ایک صورۃ ہے جو نسمہ (جان) کے لئے مدبرہ ہے اور نسمہ بدن میں حال ہے اس کے لئے مدبرہ ہے تمام قویٰ کے لئے یہی حاملہ ہے"۔

اصل کے متعلق تحقیقی قول:

وہ اصل حقیقت جس کی وجہ سے زید فی الواقع زید ہے اور عمرو عمرو ہے عندالتحقیق مشخصات نہیں بلکہ برزہ جیسی ایک حقیقت ہے جس کی وجہ سے یہ صورۃ نفس زید اور یہ صورت نفس عمر قرار پائی۔

اصل موت کے معنی بدن سے نسمہ کا جدا ہونا ہیں نفس کا نسمہ سے جدا ہونا نہیں، یادرکھو کہ اصل جب کہ اس برزہ کی خاصیت سے یہ بات ہے کہ وہ نسمہ میں حلول کرے تو اس کا مجردہ محضہ ہونا ناممکن نہیں اس کا تقوم ہمیشہ نسمہ کے ساتھ ہوگا۔(فتاویٰ عزیزی المجلد (ا) ،ص۵۹)

خلاصہ

حقیقتِ انسان یا نفسِ انسانی کی حقیقت کے بارے میں مختلف عنوانات سے جو اقوال متعدّد پائے جاتے ہیں، ان تمام کا شمار اوران پر تبصرہ اس وقت ہمارا مقصود نہیں ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ علی اختلاف الاقوال جس چیز کو بھی اصل حقیقت قرار دیا جائے وہ بعدالوفات بھی موجود ہے ورنہ کتاب وسنّت میں وارد ہونے والے وہ تمام حالات جن کا تعلق انسان اوراس کی حقیقت سے ہے معاذ اللّٰہ! خلاف واقع اور کِذب محض قرار پائیں گے اس لئے وفات کے بعد روح بالفاظ دیگر حقیقت نفس انسانی کا باقی اور موجود رہنا تسلیم کرنا پڑے گا اوروہ حالات جب ہر ایک کے حسبِ حال ہیں تو بقاءِ حیات پر روشن دلیل ہوں گے۔

۸)......سلف صالحین کا بھی یہی عقیدہ ہے"شرح شفاء "لملاعلی القاری (المجلد ۲۴۱/۲) میں ہے کہ انبیاء علیہم السّلام اصل کے اعتبار سے عرشی اورقالب کے اعتبار سے فرشی ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ارباب کمال کے احوال کوخوب جانتا ہے۔

حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام　　　پس سخن کوتاہ باید والسّلام

یعنی،کوئی کچا پختہ حال کونہیں پا سکتا ہے توبات مختصر ہونی چاہیئے اور السلام کہنا چاہیئے۔

عقیدہ:......حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بلاشبہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اورنماز ونیاز میں مشغول ہیں لیکن شب معراج میں انبیاء کرام کو نبی اکرم ﷺ کی ملاقات کے لئے مسجد

اقصیٰ میں جمع کردیا گیااور پھر جس کو چاہا آسمانوں پربھی بلایااور ظاہر یہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ ملاقات روح اور جسم دونوں کے ساتھ تھی جیسا کہ شیخ نورالحق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ

پوشیدہ نماند کہ دیدن آنحضرات انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم وتکلم آنہا چنانکہ درحدیث مذکور بوضوح پیوستہ ناظر دران است کہ آنہارا باشخاص واجساد دیدہ وقول مختار ومقرر جمہور ہم این است کہ انبیاء بعد ازاقت موت زندہ اند بحیات دنیوی وازینجا لازم آمد کہ ادریس تازمان دیدآنحضرت زندہ بودواین معنی منافات ندارد بروایت مذکورازانکہ بعدازرفع بآسمان دریکی ازین افلاک قبض روح کردہ احیاء کردہ باشد واللہ اعلم۔(''تیسیر القاری شرح بخاری'' فارسی المجلد ۲۶۲/۳)

یعنی،مخفی نہ رہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کا دیدار اوراُن سے گفتگو کرنا جیسے مذکورہ حدیث سے واضح ہوااسی طرف مشیر ہے کہ (دیکھنے والے یقیناً) انبیاء کرام علیہم السلام کی ذوات قدسیہ اور بدن ہی کو دیکھتے ہیں، پسندیدہ اور جمہور کی طرف سے مؤید بات یہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام موت کا ذائقہ چکھنے کے بعد حیات ہیں اپنی دنیاوی حیات کے ساتھ اور یہاں سے پتہ چلا کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت رسول اللہ ﷺ سے ملنے تک بقید حیات تھے اور یہ مطلب مذکورہ روایت کے ساتھ کوئی تضاد نہیں رکھتا اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ جب آپ کو آسمان پر اٹھایا گیا تو وہاں جا کر کسی بھی آسمان پر آپ کی روح مقدسہ کو قبض کرلیا گیا ہو۔واللّٰہ اعلم.

۹)......انبیاء علیہم السّلام کی حیات میں احادیث مجموعی طور پر متواتر ہیں اورعلم حدیث کا قاعدہ ہے کہ جو روایات احاد مجموعی طور پر متواتر ہوجائیں ان سے عقائد کا اثبات جائز ہے اس سے وہ سوال رفع ہوگیا جو کہا جاتا ہے کہ روایات حیات الانبیاء علیہم السلام اخبار احاد ہیں تو پھر ان سے اثبات کیسا۔

شہداء کی حیات

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾

(الِ عمران: ۱۶۹/۳)

ترجمہ: اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، روزی پاتے ہیں۔ (کنز الایمان)

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾

(البقرۃ: ۱۵۴/۲)

ترجمہ: اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، ہاں تمہیں خبر نہیں۔ (کنز الایمان)

تفسیر:...... یہ آیتیں باتفاق محققین حیاتِ برزخیہ کے بارے میں وارد ہیں۔ جہاں کی زندگی کے مراتب چار طرح ہیں۔

اوّل: حیاتِ عامہ مؤمنین، دوم: حیاتِ شہداء، سوم: حیاتِ اولیاء (رحمہم اللہ)، چہارم: حیاتِ انبیاء بالعموم، حیاتِ حبیبِ خدا ﷺ بالخصوص۔

ازالۂ وہم:...... بعض کہہ دیتے ہیں کہ شہداء کی حیات کا بیان نصِ قطعی سے ثابت ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کی حیات کا ثبوت قرآنِ مجید کی نصوص میں نہیں تو کیا ضروری ہے کہ ہم حیاتُ الانبیاء علیہم السلام کو مانیں۔

جواب:...... انہیں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ شہداء مراتب میں انبیاء علیہم السلام سے کم ہیں جب قرآنِ حکیم ادنیٰ مراتب والوں کے لئے ثبوت دے رہا ہے تو اعلیٰ مرتبہ والوں کیلئے بطریقِ اَولیٰ ماننا ضروری ہے کیونکہ ادنیٰ، اعلیٰ کے تابع ہوتا ہے۔ تصریح نہ کرنا اسی قاعدہ پر

مبنی ہے۔ غبی (کم عقل) اگر تصریح مانگتا ہے تو اسے یہی کہا جائے گا کہ قرآن مجید کو ذکی (ذہین) سمجھتے ہیں غبیوں کو اس سے کیا کام۔ عالم برزخ میں عام حیات تو عام آدمی کو حاصل ہے جس کے ذریعہ ان کو تعلیم قبر کی حس ہوتی ہے اور قبر کے عذاب وثواب کو بھی محسوس کرتا ہے۔ اس کا ثبوت بکثرت پایا جاتا ہے مثلاً:

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "اَلْعَبْدُ إِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰى عَنْهُ وَذَهَبَ اَصْحَابُهُ حَتّٰى إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ، اَتَاهُ مَلَكَانِ فَاَقْعَدَاهُ فَيَقُوْلَانِ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ ﷺ؟ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ: اَشْهَدُ اَنَّهُ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ، فَيُقَالُ لَهُ: اُنْظُرْ إِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ اَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ مَقْعَدًا مِّنَ الْجَنَّةِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: فَيَرَاهُمَا جَمِيْعًا، وَاَمَّا الْكَافِرُ اَوِ الْمُنَافِقُ فَيَقُوْلُ: لَا اَدْرِيْ، كُنْتُ اَقُوْلُ مَا يَقُوْلُ النَّاسُ، فَيُقَالُ: لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ، ثُمَّ يُضْرَبُ بِمِطْرَقَةٍ مِّنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً بَيْنَ اُذُنَيْهِ فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَّلِيْهِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ". [1]

یعنی: حضرت انس ﷛ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے دوست احباب جب اس سے پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں تو وہ (قبر میں) ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے پھر دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور اس کو قبر میں بٹھا دیتے ہیں اور اس کو کہتے ہیں کہ کیا کہتا ہے تو اس شخص (حضرت محمد ﷺ) کے بارے میں؟ تب وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تحقیق یہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اور اس کے رسول ہیں، پھر فرشتے کہتے ہیں کہ دیکھ اپنی جگہ دوزخ میں لیکن بدل دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو بہشت سے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے پس دیکھتا ہے وہ ان دونوں جگہوں کو، مگر کافر یا منافق (سے پوچھا جاتا ہے حضور اکرم ﷺ کے بارے میں) تو وہ کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ وہی کہا

[1] اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی 'صحیح' کے کتاب الجنائز، باب المیت یسمع قرع نعالھم (رقم الحدیث: ۱۳۳۸) میں اور باب ماجاء في عذاب القبر (رقم الحدیث: ۱۳۷۴) میں روایت کیا ہے۔

کرتا تھا جو عوام کہتے تھے پس اس کافر یا منافق کو کہا جاتا ہے کہ کیا تو دیکھتا اور عقل نہیں رکھتا تھا اور نہ قرآن مجید پڑھتا تھا۔ پھر فرشتے لوہے کے ہتھوڑوں سے اس کے کانوں پر مارتے ہیں تب وہ سخت چیختا ہے جسے اس کے پاس سے سب سُنتے ہیں سوائے انسانوں اور جنوں کے۔

فائدہ:...... حدیث مذکور میں عام انسان کو منکر نکیر کے سوال و جواب میں قبر کے اندر وہی پیش ہوتا ہے جو ایک زندہ انسان کے لئے ہونا چاہئے اب جب کہ برزخی حیات عام انسان کو بھی حاصل ہے پھر یہ کہنا کہ انبیاء علیہم السلام کو برزخی حیات حاصل ہوتی ہے تو پھر عام انسان اور نبی علیہم السلام کا فرق کیا رہا۔

محمد فیض احمد اُویسی غفرلہٗ

۹ ذوالحجہ ۱۴۰۴ھ بہاولپور (پاکستان)

☆☆☆☆☆

عرض مترجم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِمَنْ لَّهُ الْمُلْکُ وَالْبَقَاءُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی هُمْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ کَالشُّهَدَاءِ بَلْ هُمْ اَقْوٰی ۔

اَمّا بعد! قادری فقیر ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ عرض رسا ہے کہ ”إنباء الأذكياء بحياة الأنبياء“ نہ صرف عوام کو مفید بلکہ اہل علم کے لئے بھی بہترین سرمایہ ہے۔ اہلِ علم کو عربی سے استفادہ نصیب ہوسکتا ہے لیکن عوام اس سے فائدہ نہیں پا سکتے جب تک ان کے لئے رسالہ اردو میں نہ کردیا جائے۔ فقیر نے فرصت پا کر چند لمحات میں اس کا ترجمہ اور بعض مواقع پر حواشی لکھے تاکہ عوام کیلئے مشعلِ راہ اور فقیر کے لئے زادِ راہ ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل قبول فرمائے (آمین)

محمد فیض احمد اویسی غفرلہٗ

۲۳ محرم ۱۳۷۸ھ حامد آباد، ضلع رحیم یار خاں

☆☆☆☆☆

ترجمہ اردو

إِنبَاءُ الْأَذْكِيَاءِ بِحَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ

مولف: امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ (متوفی ۹۱۱ھ)

مترجم

حضرت علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی

(مہتمم جامعہ اویسیہ، بہاولپور)

تحقیق وتعلیق وتخریج

مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی

رئیس دارالافتاء ورکن مرکز تحقیقات النصوص الشرعیہ

(جمعیت اشاعت اہلسنّت پاکستان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى.

(سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور وہ کافی ہے اور سلام نازل ہوں اس کے ان پیارے بندوں پر جنہیں اس نے برگزیدہ بنایا۔)

سوال

مجھ سے پوچھا گیا کہ یہ عام طور پر مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے روضۂ اقدس میں حیات ہیں لیکن حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّاللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى أَرُدَّعَلَيْهِ السَّلَامَ".

"کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ مجھ پر میری رُوح کو واپس کر دیتا ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔"[1]

فائدہ:......اس حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی روح انور بعض اوقات آپ سے جدا بھی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ان میں کس طرح مطابقت ہوگی؟[2]

جواب

یہ ایک بہترین سوال ہے جو نظر و تامّل کا محتاج ہے، (امام سیوطی فرماتے ہیں) میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ: نبی ﷺ کا اپنے روضۂ اقدس میں زندہ ہونا اور اسی طرح باقی تمام انبیاء علیہم السلام کا زندہ ہونا ایک ایسا امر ہے جو علم قطعی کے ساتھ ہم سب کو معلوم ہے۔ اس لئے کہ اس پر ہمارے نزدیک قطعی دلائل قائم ہو چکے ہیں اور اس بارے میں روایات متواتر

---

[1] اس حدیث کی تخریج رقم الحدیث: ۱۹ کے حاشیہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

[2] یعنی، ایک یہ کہ آپ ﷺ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں، دوسری یہ کہ جب کوئی آپ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے تو آپ پر آپ کی روح اقدس لوٹا دی جاتی ہے۔ تو ان دونوں باتوں میں مطابقت کیسے ہوگی؟

ہو چکی ہیں[1] امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے انبیاء علیہم السلام کا ان کی قبروں میں زندہ ہونے پر ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے۔[2]

احادیث حیات

حیاتِ انبیاء علیہم السلام پر دلالت کرنے والی احادیث میں سے بعض احادیث یہ ہیں۔

حدیث (۱)...... ''صحیح مسلم'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهٖ مَرَّ بِمُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ يُصَلِّيْ فِيْ قَبْرِهٖ.[3]

---

[1] علامہ محمد بن جعفر الکتانی نے اپنی کتاب ''نظم المتناثر في حديث المتواتر'' (ص۲۱۶، مطبوعة: المكتب السلفي، قاهره) میں ذکر کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اپنی قبروں میں حیات ہونے کی احادیث حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اور علامہ سخاوی (متوفی ۹۰۲ھ) نے ''رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم حي على الدوام'' (یعنی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الدوام حیات ہیں) عنوان باندھ کر اس کے تحت لکھا، ''ان احادیث سے یہ عقیدہ لیا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ زندہ ہیں، اور وہ اس لئے کہ یہ عادۃً محال ہے کہ دن یا رات میں کوئی وقت ایسا ہو جس میں آپ پر سلام بھیجنے والا کوئی نہ ہو اور ہم اس پر ایمان لاتے اور تصدیق کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اپنی قبر انور میں رزق بھی دیئے جاتے ہیں اور ان کے جسم اطہر کو زمین کی مٹی نہیں کھاتی اور اس پر اجماع ہے'' (القول البديع، فوائد نختم بها الباب الرابع، النادسة، ص۱۷۱-۱۷۲، مطبوعة: دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۰۵ھ-۱۹۸۵م)

[2] اس رسالہ کا نام ''حياة الأنبياء صلوات الله عليهم بعد وفاتهم'' ہے۔ (☆اس رسالہ کا ترجمہ مترجم موصوف علامہ محمد فیض احمد اویسی نے کیا ہے اور اس عربی رسالہ اور ترجمہ پر تحقیق کا کام جمعیت اشاعت اہلسنّت کے شعبے مرکز تحقیقات النصوص الشرعیہ والثقافۃ الاسلامیہ میں ہوا ہے)۔

[3] یہ حدیث ''صحیح'' ہے جسے امام مسلم نے ''كتاب الفضائل''، باب من فضائل موسیٰ (رقم الحديث: ۱۶۵/۲۳۷۵) میں، ابو نعیم نے ''الحلية'' (۲۰۳/۶) میں، نسائی نے ''سنن المجتبیٰ'' کے کتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب ذكر صلاة نبي الله موسیٰ علیہ السلام الخ (رقم الحديث: ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷) میں باختلاف اسناد والفاظ، ابن حبان نے اپنی ''صحیح'' ۱۳۱/۱، (رقم الحديث: ۴۹) میں اور اس کے محقق نے کہا کہ یہ حدیث امام بخاری کی شرط پر ''صحیح'' ہے۔ احمد نے ''المسند'' (۱۴۸/۳، ۲۴۸) میں، اور بغوی نے ''شرح السنّة'' (رقم الحديث: ۳۶۵) میں روایت کیا اور کہا کہ ''هذا حديث صحيح''۔ سب نے مختلف طرق سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور سیوطی نے اس حدیث کو ''خصائص الکبریٰ'' (۲۵۸/۱) میں بھی نقل کیا ہے۔

یعنی، بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج موسیٰ علیہ السلام کی قبر پر اس حال میں گزرے کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔[1]

حدیث (۲)...... ابو نعیم نے ''حِلية الأولياء'' میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ......

"إِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم مَرَّ بِقَبْرِ مُوْسٰى علیہ السلام وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فِيْهِ".[2]

یعنی، تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گزرے تو وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز ادا فرما رہے تھے۔[3]

---

[1] اس حدیث شریف کے تحت امام جلال الدین سیوطی اور علامہ نور الدین سندھی لکھتے ہیں کہ شیخ بدر الدین ابن الصاحب، حیات الانبیا کے بیان میں تحریر کردہ اپنی تالیف میں فرماتے ہیں یہ حدیث حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر میں حیات ہونے میں صریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کو بیان فرمایا ہے اور صرف روح کی ایسی وصف بیان نہیں کی جاتی، ایسی وصف تو (روح مع) جسد کی بیان کی جاتی ہے اور آپ کا قبر میں نماز پڑھنے کی تخصیص اس پر دلیل ہے کہ اگر نماز پڑھنا روح کے اوصاف سے ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کے نماز پڑھنے کی قبر کے ساتھ تخصیص کی حاجت نہ ہوتی، اور شیخ تقی الدین سبکی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: نماز زندہ جسم کو مستدعی ہے اور حیات حقیقیہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بدن حیات حقیقیہ کے ساتھ ایسے ہی ہوں جیسے دنیا میں تھے کہ دنیا میں بدن حیات حقیقیہ کے ساتھ کھانے پینے وغیرہ کے محتاج تھے کہ اجسام کی صفات سے ہے جس کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں بلکہ اس کے لئے دوسرا حکم ہوگا (حاشية السيوطي والسندي على السنن للنسائي (۱۵۰/۳)، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب ذكر صلاة نبي الله موسى علیہ السلام الخ رقم الحديث: ۱۶۳۱، ۱۶۳۷، مطبوعة. دار الكتب العلمية، بيروت)

[2] ''حلية الأولياء'' (ج۶، ص۲۰۳، مطبوعة: دار المعرفة، بيروت)

[3] احادیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج انہیں اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اس کے تحت علامہ سخاوی لکھتے ہیں ''پس اگر کہا جائے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ہم نے حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جسے امام مسلم نے بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اس کے شواہد پاتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''بے شک میں نے اپنے آپ کو جماعتِ انبیاء علیہم السلام میں دیکھا پھر جبھی موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے نماز [illegible] دیکھا پھر اچانک دیکھا کہ ایک پتلے دبلے گھنگریالے بالوں والے ہیں گویا وہ قبیلہ شنوءہ سے ہیں اور ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا وہ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں ان کے ساتھ تمہارے صاحب بہت [illegible] مشابہ ہیں پھر نماز کا وقت

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

حدیث (۳)......ابویعلیٰ نے اپنی "مُسند" [1] میں اور بیہقی نے کتاب "حیاۃ الأنبیاء" [2] میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) آ گیا اور میں نے جماعت انبیاء کی امامت کی"۔ بیہقی نے کہا اور سعید ابن المسیب کی ابی ہریرہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ ان کو بیت المقدس میں ملے۔

اور واقعہ معراج میں ابوذر اور مالک بن صعصہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ جماعت انبیاء علیہم السلام سے آسمانوں میں ملے پھر آپ نے ان سے کلام فرمایا اور انہوں نے آپ سے کلام کیا۔ اور یہ تمام حدیثیں "صحیح" ہیں بعض بعض کے مخالف نہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا پھر رات میں ہی موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو بیت المقدس کی سیر کرائی گئی تو آپ ﷺ نے ان کو آسمانوں میں دیکھا جیسا کہ آپ ﷺ نے اس کی خبر دی۔ کہا کہ انبیاء علیہم السلام کا مختلف اوقات میں مختلف جگہوں پر تشریف لے جانا عقلاً جائز ہے جیسا کہ اس پر سچے کی خبر (یعنی نبی ﷺ کا فرمان) وارد ہے۔ اور ان تمام میں انبیاء علیہم السلام کے زندہ ہونے پر دلالت ہے (یعنی یہ احادیث انبیاء علیہم السلام کے حیات ہونے کی دلیل ہیں)(القول البدیع، فوائد الباب الرابع، فائدہ السادسة، رسول اللہ ﷺ حی علی الدوام، ص۱۷۲۔۱۷۳، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت)

[1] یہ حدیث "صحیح" ہے اور اسے امام ابویعلیٰ نے اپنی "مسند" (رقم الحدیث: ۳۴۲۵) میں روایت کیا اور "مسند أبی یعلی" کے محقق نے لکھا کہ اس حدیث کی سند "صحیح" ہے اور بزار نے بھی روایت کیا جیسا کہ "کشف الأستار عن زوائد البزار للهیثمی" (۱۰۰/۳، برقم: ۲۳۳۹، مطبوعة: مؤسسة الرسالة، بیروت) میں ہے۔ اور علامہ نورالدین ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۲۱۲/۸) میں نقل کرنے کے بعد لکھا کہ اسے ابویعلیٰ اور بزار نے روایت کیا ہے ابویعلیٰ کی روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں، اور اس حدیث کو دیلمی نے "الفردوس بمأثور الخطاب" (۱۱۹/۱، برقم: ۴۰۳)، ابونعیم نے "أخبار أصبهان" (۴۴/۲، مطبوعة دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی ۱۴۱۰ھ) میں اور "الحلیة" (۳۱۹/۲، مطبوعة دار العرفة بیروت) میں، ابن عدی نے "الکامل" (۷۳۹/۲، مطبوعة: دار الفکر، بیروت، الطبعة الأولی ۱۴۰۴ھ) میں حسن بن قتیبہ کے ترجمہ میں ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" (۲۸۵/۴) میں روایت کیا ہے امام ذہبی نے اس حدیث کو "المیزان" (۵۱۸/۱) میں، حافظ ابن حجر نے "المطالب العالیة فی زوائد المسانید الثمانیة" (برقم ۳۴۵۲) میں اور سیوطی نے "الجامع الصغیر" (۴۷۷/۱، برقم ۳۰۸۹، مطبوعة: دار الفکر، بیروت، الطبعة الأولی ۱۴۱۰ھ) میں ذکر کیا اور امام سیوطی نے اس حدیث کو "حسن" قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ البانی نے "سلسلة الأحادیث الصحیحة" [illegible] میں اس حدیث کی اسناد کو "جید" کہا ہے اور علامہ مناوی نے "فیض القدیر" میں اس روایت کی اصل کو ابویعلیٰ کی طرف منسوب کرنے کے بعد لکھا ہے "وهو حدیث صحیح"۔

[2] امام بیہقی نے "حیاة الأنبیاء علیهم السلام بعد وفاتهم" (برقم ۱،۲،۳، مطبوعة دار النفائس، أردن الطبعة الأولی ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء) میں تین مختلف اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔

"الأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ".

یعنی، انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہاں نمازیں پڑھتے ہیں۔

"حلیه" [1] میں ابونعیم نے یوسف بن عطیہ سے روایت کی انہوں نے ثابت بنانی رضی اللہ عنہ کو حمید طویل سے یہ فرماتے ہوئے سُنا۔

"آپ کو کوئی ایسی حدیث بھی ملی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی دُوسرے کا بھی (قبر میں) نماز پڑھنا مذکور ہو؟" حمید نے کہا کہ نہیں! (یعنی قبر میں نماز پڑھنے کی حدیث صرف انبیاء علیہم السلام کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔)

حدیث (۴)......"أبو داؤد" [2] اور "بیهقی" [3] نے اوس بن اوس ثقفی سے روایت کی ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کا دن سب دنوں سے افضل ہے۔ لہٰذا اس دن کثرت کے ساتھ تم مجھ پر دُرود بھیجا کرو۔ اس لئے کہ تمہارا درود مُجھ پر پیش کیا جاتا ہے، صحابہ کرام نے عرض کی۔

یا رسول اللہ ﷺ! وصال باکمال کے بعد جب آپ بوسیدہ ہو جائیں گے تو اُس وقت ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا۔

"إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ، أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ". [4]

[1] حلیة الأولیاء، المجلد (۲)، ص۳۱۹، مطبوعة: دار المعرفة، بیروت.

[2] سنن أبی داؤد، کتاب الجمعة، باب فضل یوم الجمعة (رقم الحدیث: ۱۰۴۷) وباب فی الإستغفار (رقم الحدیث: ۱۵۳۱)

[3] حیاة الأنبیاء بعد وفاتهم، ص۵۰ (رقم الحدیث: ۱۱) مطبوعة: دار النفائس، أردن، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳م۔

[4] اس حدیث کی سند "صحیح" ہے جسے امام ابوداؤد اور بیہقی کے علاوہ نسائی نے "سنن المجتبیٰ" کے کتاب الجمعة، باب الأمر بإکثار الصلاة علی النبی ﷺ یوم الجمعة (رقم الحدیث: ۱۶۶۶) میں روایت کیا، امام ابن ماجہ نے "سنن ابن ماجة" کے کتاب الصلاة، باب فضل الجمعة، (رقم الحدیث: ۱۰۵۸) میں، احمد نے "المسند" (۸۰/۴) میں، دارمی نے "سنن الدارمی" کے کتاب الصلاة، باب فضل الجمعة (رقم الحدیث: ۱۵۷۲) میں، حاکم نے "المستدرک علی الصحیحین"

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

یعنی، بے شک اللہ ﷻ نے زمین پر حرام کر دیا کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔

حدیث (۵)......امام بیہقی نے "**شعب الإیمان**"[1] میں اور اصبہانی نے "**ترغیب**" میں

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) کتاب الجمعة (رقم الحدیث: ۱۰۵۷)، ابن خزیمہ نے اپنی "صحیح" (رقم الحدیث: ۱۷۳۳) میں، بیہقی نے "سنن الکبریٰ" (۲۴۹/۳ـ۲۵۰) میں روایت کیا ہے اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے جیسا کہ "موارد الظمآن بزوائد ابن حبان" (برقم: ۵۵۰) میں ہے۔ اور ولی الدین تبریزی نے "مشکاۃ المصابیح" کے، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة، الفصل الثالث (رقم الحدیث: ۱۳۶۶) میں ابن ماجہ کے حوالے سے نقل کیا ہے جس میں ہے **قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ؟ قال** الخ اور سخاوی نے "القول البدیع" (ص ۱۶۴، مطبوعة دار الکتاب العربی) میں "طبرانی کبیر" کے حوالے سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا **قُلْنَا وَبَعْدَ وَفَاتِکَ، قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِیْ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ** الخ اور **قَدْ أُرِمْتَ** الخ کے الفاظ سے، احمد وغیرہ سے روایت کیا ہے، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے اس حدیث کو "صحیح" کہا اور ذہبی نے بھی اس میں موافقت کی، مُنذری اور ابن حجر نے "حسن" اور نووی نے "الأذکار" میں "صحیح" کہا علامہ سخاوی نے "القول البدیع" میں اس حدیث کی روایت کو احمد (فی مسندہ)، ابن ابی حاتم (فی الصلاۃ له)، بیہقی (فی "حیاۃ الأنبیاء" و"شعب الإیمان" وغیرھما من تصانیفه) ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ (فی سننھم)، طبرانی (فی معجمه)، ابن حبان، ابن خزیمہ، حاکم (فی صحاحھم) کی طرف منسوب کیا اور آخری تینوں نے اس حدیث کو "صحیح" کہا اور کہا کہ یہ حدیث بخاری کی شرط پر "صحیح" ہے اور شیخین نے اس کی تخریج نہ کی۔ اسی طرح نووی نے (فی الأذکار) اس کو "صحیح" کہا، حافظ عبد الغنی نے "حسن صحیح" کہا، منذری نے کہا "حسن" ہے، ابن دحیہ نے کہا یہ حدیث "صحیح محفوظ" ہے جسے عادل سے نقل کیا اس کے بعد سخاوی نے لکھا میں کہتا ہوں کہ اس میں علتِ خفیہ ہے وہ یہ کہ اس حدیث کا ایک راوی حسین جعفی ہے جس نے اپنے شیخ کا نام لیتے وقت ان کے دادا کے نام میں خطا کی الخ اور پھر ایک روایت میں "حتی" ہے اور دوسری میں "حین" ہے امام سبکی "شفاء السقام" کے باب ثانی **فصل فی علم النبی ﷺ بمن یسلم علیه** میں لکھتے ہیں "حین" ظرفِ زمان ہے جس سے مستفاد یہ ہے کہ درود بھیجنے والا جب درود سے فارغ ہوتا ہے تو بلا تاخیر درود حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کر دیا جاتا ہے اور "حتی" بھی عدمِ تاخیر پر دلالت کرتا ہے اور وبعد وفاتی یابعد الموت کو حرفِ عطف کے ساتھ ذکر فرمایا جس کا تقاضا یہ ہے کہ درود آپ ﷺ کی بارگاہ میں آپ کی ظاہری حیات اور بعد از وصال دونوں حالتوں میں پیش ہوتا ہے۔

[1] اس حدیث کو امام بیہقی نے "شعب الإیمان" (۲۱۸/۲، رقم الحدیث: ۱۴۸۱) میں اور "حیاۃ الأنبیاء بعد وفاتھم" (ص ۵۷، برقم: ۱۹، دار النفائس) میں روایت کیا ہے اور "حیاۃ الأنبیاء" میں حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا سند میں ایک راوی ابو عبد الرحمٰن ہیں جس کا نام محمد بن مروان السدی ہے وفیه نظر، وقد مضیٰ مایؤکدہ اور "شعب الإیمان" میں اسی سند سے روایت کیا اور اس کے شواہد بھی روایت کئے ہیں اور شوکانی نے "الفوائد المجموعة" (ص ۳۲۵) میں اور امام سیوطی نے "اللآلی المصنوعة (فی المناقب ۲۵۸/۱ـ۲۵۹) میں اس کے بعض شواہد ذکر کئے ہیں۔ اور ابن الجوزی نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

"مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهُ، وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا أُبْلِغْتُهُ".

یعنی، جس نے مجھ پر میری قبر کے نزدیک درود بھیجا تو میں اُسے سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دور سے درود بھیجا وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

حدیث (۶)......امام بخاری نے اپنی "**تاریخ**" میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ

"إِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰی مَلَکاً أَعْطَاهُ أَسْمَاعَ الْخَلَائِقِ، قَائِمٌ عَلٰی قَبْرِیْ فَمَا مِنْ أَحَدٍ یُّصَلِّیْ صَلَاةً إِلَّا بُلِّغْتُهَا".[1]

یعنی، بے شک اللہ ﷻ کا ایک فرشتہ ہے جسے اللہ ﷻ نے تمام مخلوقات کی اسماع (یعنی، آوازوں کے سننے کی قوت) مرحمت فرمائی ہے اور وہ میری قبر پر مقرر ہے تو کوئی درود بھیجنے والا کسی وقت، کہیں سے مجھ پر درود بھیجتا ہے تو، مگر وہ فرشتہ اس کا درود مجھے پہنچا دیتا ہے۔

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) اسے "الموضوعات" (۳۰۲/۱ـ۳۰۳، مطبوعة: دار الکتب العلمیة، بیروت) میں ذکر کیا اور امام سیوطی نے "اللآلی" (۲۵۸/۱) میں ان کا تعقب کیا۔ اور خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" (۲۹۱/۳ـ۲۹۲) میں اور عقیلی نے "الضعفاء الکبیر" (۱۳۶/۴) میں محمد بن مروان کے طریق سے روایت کیا۔
اور اس روایت میں ایک راوی محمد بن مروان ہے جو کہ ضعیف ہے جیسا کہ "تقریب التھذیب" (ج ۲ ص ۲۰۶، مطبوعة: دار المعرفة، بیروت) میں حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے۔

[1] محقق "إنباء الأذکیاء" نے لکھا کہ "حدیث حسن لشواھدہ" (یعنی یہ حدیث اپنے شواہد کے اعتبار سے "حسن" ہے) اسے امام بخاری نے "التاریخ الکبیر" (۴۱۶/۲/۳) میں روایت کیا اور امام سخاوی نے "القول البدیع فی الصلاۃ علی النبی الشفیع" (ص ۱۱۲، مطبوعة: دار الکتاب العربی، بیروت) میں ابو الشیخ کی طرف منسوب کیا اور ابو القاسم التیمی نے اپنی "ترغیب" میں، حارث نے اپنی "مسند" میں اور طبرانی نے "الکبیر" میں، ابن الجراح نے اپنی "أمالی" میں ابو علی الطوسی نے "الأحکام" اور بزار نے اپنی "مسند" میں روایت کیا ہے (تحقیق رسالتان فی حیاۃ الأنبیاء، ص ۶۷ـ۶۸، مطبوعة: دار النفائس، أردن، الطبعة الأولی ۱۴۱۳ھ ۱۹۹۳م) اور اس حدیث کو امام بیہقی نے "شعب الإیمان" (۲۰۹/۲، رقم الحدیث: ۳۵۴۶) میں روایت کیا اور ولی الدین تبریزی نے "مشکاۃ المصابیح" کے کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی ﷺ وفضلها، الفصل الثالث (رقم الحدیث: ۱۶/۹۳۴) میں نقل کیا ہے۔

حدیث (۷)......امام بیہقی نے ''حیاۃ الأنبیاء ''میں امام اصبہانی نے ''ترغیب ''میں حضرت انس ﷜ سے روایت کی حضور ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مِائَةً فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَةِ الْجُمُعَةِ قَضَى اللّٰهُ لَهٗ مِائَةَ حَاجَةٍ، سَبْعِيْنَ مِنْ حَوَائِجِ الْاٰخِرَةِ، وَثَلٰثِيْنَ مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا، ثُمَّ وَكَّلَ اللّٰهُ بِذٰلِكَ مَلَكاً يُدْخِلُهٗ عَلَيَّ فِيْ قَبْرِيْ كَمَا يُدْخَلُ عَلَيْكُمُ الْهَدَايَا، إِنَّ عِلْمِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ كَعِلْمِيْ فِي الْحَيَاةِ".[1]

یعنی، جس نے جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات مجھ پر ایک سو بار درود بھیجا۔ اللہ تعالیٰ اس کی ایک سو (۱۰۰) حاجتیں پوری فرمائے گا۔ ستر (۷۰) آخرت کی اور تیس (۳۰) دنیا کی، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر فرمادیا ہے جو اس دُرود کو میری قبر میں میرے سامنے اس طرح پیش کرتا ہے جیسے تمہارے سامنے تحفے پیش کئے جاتے ہیں بے شک میرا علم بعد وصال بھی ایسا ہی رہے گا جیسا کہ حیاتِ دنیا میں ہے۔

حدیث (۸)......بیہقی کی روایت ہے کہ

"يُخْبِرُنِيْ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ بِاسْمِهٖ وَنَسَبِهٖ، فَأُثْبِتُهٗ عِنْدِيْ فِيْ صَحِيْفَةٍ بَيْضَاءَ".[2]

۱؎ اس حدیث کو بیہقی نے ''حیاة الأنبیاء علیهم السلام بعد وفاتهم ''ص۵۳ (رقم الحدیث:۱۴) میں اور ان کے حوالے سے تقی الدین سبکی نے ''شفاء السقام فی زیارة خیر الأنام '' الباب التاسع، الفصل الأول فیما أورد فی "حیاة الأنبیاء" (ص۱۸۲ مطبوعة: نوریة رضویة، لاهور) میں سوائے إِنَّ عِلْمِیْ الخ کے نقل کیا ہے اور سخاوی نے ''القول البدیع ''باب رابع (ص۱۶۲) میں نقل کیا ہے۔

۲؎ اس حدیث کو دیلمی نے ''الفردوس بمأثور الخطاب '' (رقم الحدیث:۴۰۸۰) میں، امام بیہقی نے ''حیاة الأنبیاء ''(ص۵۳، برقم:۱۴) میں اور ''شعب الإیمان '' (۱۱۱/۳، برقم:۳۰۳۵) میں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''تلخیص الحبیر '' (۱۲۶/۲) میں اور ''فتح الباری '' (تحتِ حدیث:۳۲۵۷) میں، زرقانی نے ''مؤطا ''پر اپنی ''شرح '' (۳۵۷/۴) میں، الفیاوری نے ''خلاصة البدر المنیر '' (برقم:۹۳۲) میں، اور امام سیوطی نے ''الدر المنثور '' (۶۵۴/۶، مطبوعة: دار الفکر، بیروت ۱۴۰۳ھ) میں روایت کیا اور امام بیہقی اور ابن عساکر کی طرف منسوب کیا اور متقی ہندی نے ''کنز العمال '' (۵۰۶/۱ برقم: ۲۲۳۷) میں ابن عساکر کی طرف منسوب کیا اور امام بیہقی کی سند میں واقع ایک راوی عثمان بن دینار اور دوسری راویہ عثمان بن دینار کی بیٹی حکامہ پر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

یعنی، وہ سب لوگ جو مجھ پر درود بھیجتے ہیں وہ فرشتہ مجھے ان سب کے ناموں کی خبر ان کی نسبتوں کے ساتھ دیتا ہے تو میں اُسے اپنے پاس ایک سفید کتابچہ میں لکھ لیتا ہوں۔

حدیث (۹)......امام بیہقی[1] نے حضرت انس ﷜ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَا يُتْرَكُوْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ بَعْدَ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً وَلٰكِنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى حَتّٰى يُنْفَخَ فِي الصُّوْرِ".[2]

یعنی، بے شک چالیس راتوں کے بعد انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں نہیں چھوڑے جاتے اور وہ اللہ سبحانہٗ کی بارگاہ میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ صُور پھونکا جائے۔

حدیث (۱۰)......اور سفیان ثوری نے ''الجامع ''میں روایت کیا کہ ہمارے شیخ نے

(بقیہ صفحہ گزشتہ حاشیہ) محدثین کا کلام ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر کی ''لسان المیزان '' (۴۰/۴ مطبوعة: دار الفکر، بیروت) اور امام ذہبی کی ''میزان الإعتدال '' (۳۳/۳ مطبوعة: دار المعرفة، بیروت) میں ہے جب کہ ابن حبان نے عثمان بن دینار کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اور حضرت انس کی یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے اور اس کی بعض اسناد میں ضعف ہے جیسا کہ امام بیہقی نے ''سنن الکبریٰ '' (۲۴۹/۳ مطبوعة: دار الفکر، بیروت) میں لکھا ہے۔ اور اسے امام تقی الدین سبکی نے ''شفاء السقام ''الباب التاسع، الفصل الأول (ص۱۸۲) میں نقل کیا ہے۔

۱؎ امام بیہقی نے ''حیاة الأنبیاء '' (ص۳۳ برقم:۴) میں روایت کیا ہے۔ امام بیہقی کی سند میں ایک راوی ابو حامد احمد بن علی الحسنوی ہیں جن سے آپ نے روایت کیا یہ امام حاکم کے بھی شیخ ہیں اور حاکم نے ان کو ضعیف قرار دیا اور فرمایا کہ یہ ان میں سے ہیں جن کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی اور خطیب نے کہا ثقہ نہیں تھے اسی طرح محمد بن عباس اور ان کے شیخ اسماعیل بن طلحہ بن یزید پر بھی کلام ہے۔ اور ابن ابی لیلیٰ پر بھی کلام ہے وہ صدوق سیئ الحفظ تھے جیسا کہ حافظ ابن حجر کی ''تقریب التهذیب '' (۱۸۴/۲ مطبوعة: دار المعرفة، بیروت) میں ہے اور امام بیہقی کا کلام وهذا إن صح الخ جو اس سند کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور اس حدیث کی تائید حدیث (۱۰) و دیگر احادیث سے ہو جاتی ہے۔

۲؎ اس حدیث کو دیلمی نے ''الفردوس بمأثور الخطاب '' (۲۲۲/۱ برقم:۸۵۲ مطبوعة: دار الکتب العلمیة، بیروت، ۱۴۰۶ھ) میں، امام سیوطی نے ''جمع الجوامع '' (برقم:۴۹۹۰) میں اور ''اللآلی المصنوعة '' (۲۶۰/۱، دار الکتب، بیروت) میں اور خطیب نے ''التاریخ ''میں روایت کیا جیسا کہ علامہ متقی ہندی نے ''کنز العمال '' (۷۴/۱۱ برقم:۳۲۲۳۰، مطبوعة: مؤسسة الرسالة) میں حاکم کی طرف منسوب کیا ہے علامہ ابن حجر نے ''تقریب البغیة '' (رقم الحدیث:۳۰۵۲) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

حضرت سعید بن میسّب سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ "مَامَكَثَ نَبِيٌّ فِيْ قَبْرِهِ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً حَتّٰى يُرْفَعَ "[1] یعنی، کوئی نبی اپنی قبر میں چالیس راتوں سے زیادہ نہیں ٹھہرتا یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھالیا جاتا ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس تقدیر پر انبیاء علیہم السلام زندہ لوگوں کی طرح ہوجاتے ہیں اور جہاں اللہ تعالیٰ ان کو رکھتا ہے وہیں رہتے ہیں۔

واقعہ معراج سے استدلال:

پھر امام بیہقی نے فرمایا کہ موت کے بعد انبیاء علیہم السلام کے زندہ ہونے کے متعلق بہت سے شواہد ہیں پھر انہوں نے واقعۂ معراج میں جماعتِ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی ملاقات کا ذکر کیا ہے اور حضور ﷺ کا ان کے ساتھ کلام کرنا اور ان کا حضور ﷺ سے کلام کرنا بیان کیا۔[2]

حدیث (۱۱)......اور امام بیہقی[3] نے معراج کے بیان میں حضرت ابو ہریرہ ﷛ کی حدیث کو روایت کیا جس میں ہے کہ (حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا)

"وَقَدْ رَأَيْتُنِيْ فِيْ جَمَاعَةٍ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ ،فَإِذاً مُوْسٰى قَائِمٌ يُصَلِّيْ، فَإِذاً رَجُلٌ ضَرْبٌ جَعْدٌ ،كَأَنَّهُ مِنْ رِّجَالِ شَنُوْءَةٍ ،وَإِذاً عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ، وَإِذاً

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) میں "حلية الأولياء" (۸/۳۳۳) کے حوالے سے حدیث انس بن مالک کو دیگر الفاظ سے بیان کر کے اس کی تخریج فرمائی ہے اور امام تقی الدین سبکی نے اسے "شفاء السقام" باب سادس، فصل اول (حدیث دوم) میں نقل کیا اور لکھا کہ امام بیہقی فرماتے ہیں احادیث صحیحہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ موت کے بعد بھی انبیاء کرام علیہم السلام کو زندگی حاصل رہتی ہے۔

[1] اس حدیث کو امام عبدالرزاق نے "المصنّف" کے كتاب الجنائز، باب على قبر النبي ﷺ (رقم الحديث:۶۷۵۴) میں اور امام بیہقی نے "حياة الأنبياء" (ص۴۴، برقم:۵، مطبوعة: دار النفائس أردن) میں روایت کیا اور امام بیہقی کی سند میں ضعف ہے کیونکہ سفیان ثوری نے فرمایا: قال شيخ لنا عن سعيد بن المسيّب. اس میں سفیان ثوری کے نزدیک شیخ مجہول ہے۔ لیکن امام سیوطی نے "اللآلي المصنوعة" (۱/۲۶۰) میں أبو المقدام ثابت بن ہرمز الکوفی عن سعید بن المسیّب کے طریق سے نقل کیا ہے اور اس کی سند قوی ہے۔

[2] حياة الأنبياء بعد وفاتهم، ص۴۴-۴۵، مطبوعة: دار النفائس، أردن۔ الطبعة الأولى ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۳م

[3] حياة الأنبياء بعد وفاتهم، ص۴۷-۴۸، مطبوعة: دار النفائس، أردن۔ الطبعة الاولى ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۳م

إِبْرَاهِيْمُ قَائِمٌ يُصَلِّيْ، أَشْبَهُ النَّاسِ بِهِ صَاحِبُكُمْ ،يَعْنِيْ نَفْسَهُ، فَحَانَتِ الصَّلٰوةُ فَأَمَمْتُهُمْ ".[1]

یعنی، بے شک میں نے اپنے آپ کو جماعت انبیاء علیہم السلام میں دیکھا۔ پھر فوراً ہی موسیٰ علیہ السلام (کو قبر میں) کھڑے نماز پڑھتے دیکھا اور میں نے اچانک دیکھا کہ وہ دُبلے پتلے **گھنگر**یالے بالوں والے ہیں۔ گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ کے آدمیوں میں سے ہیں جبھی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو کھڑے نماز ادا فرما رہے ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام بھی کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں ان کے ساتھ تمہارے صاحب (یعنی حضور ﷺ کی ذات) بہت زیادہ مشابہ ہے پھر نماز کا وقت آگیا تو میں نے ان کی امامت کی۔[2]

حدیث (۱۲)......امام بیہقی[3] نے روایت کی۔

[1] یہ حدیث "صحیح" ہے جسے امام مسلم نے "صحيح مسلم" کے كتاب الإيمان، باب ذكر المسيح ابن مريم الخ (رقم الحديث:۱۷۲/۲۷۸) میں أبي سلمة (عن أبي هريرة) کے طریق سے روایت کیا ہے اور امام بخاری نے "صحيح البخاری" کے كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى﴾ (طه:۹/۲۰) (رقم الحديث:۳۳۹۴) میں اور باب قول الله تعالىٰ: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ، اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا ﴾ الآية (مريم:۱۶/۱۹) (رقم الحديث:۳۴۳۷) میں، امام مسلم نے "صحيح مسلم" کے كتاب الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ الخ (رقم الحديث:۱۶۸/۲۷۲) میں، امام ترمذی نے "جامع الترمذی" کے کتاب تفسير القرآن باب: ومن سورة بني إسرائيل (رقم الحديث:۳۱۳۰) میں اور امام احمد نے "المسند" (۲/۲۸۲) میں دوسرے طُرق (عن أبي هريرة) سے روایت کیا ہے۔

[2] وہ نماز جس کی امامت نبی ﷺ نے شبِ معراج فرمائی اس نماز سے مراد کیا ہے؟ چنانچہ ملا علی القاری لکھتے ہیں علماء کا اس نماز میں اختلاف ہے کہا گیا کہ یہ صلاۃ لغوی ہے جو بمعنی دعا، ذکر و ثناء کے ہے اور کہا گیا کہ صلاۃ سے مراد معہودہ معروفہ نماز ہے اور یہی اصح ہے کیونکہ لفظ کو حقیقت لغویہ سے قبل حقیقۃ شرعیہ پر محمول کیا جائے گا (شرح الشفاء، المجلد(۱) القسم الأول، الباب الثالث، فصل في تفضيله ﷺ بما تضمنته كرامة الأسراء، ص۳۹۶، مطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۲۱ھ-۲۰۰۱م)

[3] حياة الأنبياء بعد وفاتهم، ص۶۰، برقم:۲۱، مطبوعة: دار النفائس، أردن. ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۳م

"أَنَّ النَّاسَ يُصْعَقُوْنَ ،فَأَكُوْنُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيْقُ".[1]

یعنی، حضور ﷺ نے فرمایا کہ (پہلے صور پھونکنے کے وقت) تمام لوگ بے ہوش ہوجائیں گے تو سب سے پہلا شخص جو ہوش میں آئے گا وہ میں ہوں گا۔

فائدہ:......اس کے بعد امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حدیث کا مضمون اسی صورت میں درست ہوسکتا ہے جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ بعد از وصال انبیاء علیہم السلام کی رُوحیں اُن کی طرف لوٹا دی گئی ہوں اور وہ شہداء کی طرح یقینی طور پر زندہ ہوں تاکہ صور پھونکے جانے کے وقت ان پر بے ہوشی طاری ہونا ممکن ہو اور دنیا میں زندہ رہنے والے لوگوں کی طرح وہ بھی بے ہوش ہوجائیں اس بے ہوشی کو کسی اعتبار سے بھی ہم موت قرار نہیں دے سکتے۔ صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ وقتی طور پر ان کے احساس اور شعور پر مدہوشی کا ایک حجاب آجائے گا۔[2] (یہاں پر) بیہقی کا بیان ختم ہوا۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

---

[1] یہ حدیث "صحیح" ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے امام بخاری نے "صحیح البخاری" کے کتاب الخصومات، باب مایذکر فی الاشخاص الخ (رقم الحدیث: ۲۴۱۱) اور کتاب الأنبیاء، باب وفاۃ موسی (رقم الحدیث: ۳۴۰۸) میں ابوالیمان سے اور کتاب الرقاق، باب نفخ الصور (رقم الحدیث: ۶۵۱۷-۶۵۱۸) میں عبدالعزیز بن عبداللہ اور ابوالیمان سے اور کتاب التوحید، باب فی المشیۃ والإرادۃ (رقم الحدیث: ۷۴۷۲) میں یحیٰی بن قزعہ سے روایت کیا ہے۔ اور امام مسلم نے "صحیح مسلم" کے کتاب الفضائل، باب فضائل موسیٰ (رقم الحدیث: ۲۳۷۳/۱۶۰) میں، امام ابوداؤد نے "سنن أبی داؤد" کے کتاب السنۃ، باب فی التخییر بین الأنبیاء (رقم الحدیث: ۴۶۷۱) میں، امام ترمذی نے "جامع الترمذی" کے کتاب التفسیر، باب: ومن سورۃ الزمر (رقم الحدیث: ۳۲۴۵)، امام ابن ماجہ نے "سنن ابن ماجۃ" کے کتاب الزھد، باب ذکر البعث (رقم الحدیث: ۴۲۷۴) میں، دونوں نے فَأَكُوْنُ أَوَّلَ مَنْ رَفَعَ رَأْسَهُ کے لفظ سے، امام احمد نے "المسند" (۲/۲۶۴، ۴۵۰-۴۵۱) میں، بغوی نے "شرح السنۃ" (برقم: ۴۳۰۱) میں روایت کیا ہے۔

[2] حیاۃ الأنبیاء بعد وفاتھم (ص ۶۱، مطبوعۃ: دار النفائس، أردن ۱۴۱۳ھ، ۱۹۹۳م) میں امام بیہقی نے اور ان کے حوالے سے امام تقی الدین سبکی نے "شفاء السقام" کے نویں باب کی پہلی فصل میں ذکر کیا ہے۔

حدیث (۱۳)......ابویعلیٰ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی: "سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَيَنْزِلَنَّ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ ،ثُمَّ لَئِنْ قَامَ عَلٰى قَبْرِيْ فَقَالَ: يَامُحَمَّدُ، لَأُجِيْبَنَّهُ".[1]

یعنی، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ عیسیٰ بن مریم ضرور (آسمان سے) اتریں گے پھر اگر وہ میری قبر پر آکر "یا محمد" ﷺ کہہ کر پکاریں گے تو میں انہیں ضرور جواب دوں گا۔"

حدیث (۱۴)......ابونعیم نے "دلائل النبوۃ" میں سعید بن مسیّب سے روایت کی کہ لَقَدْ رَأَيْتُنِيْ لَيَالِي الْحَرَّةِ، وَمَافِيْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ غَيْرِيْ وَمَا يَأْتِيْ وَقْتُ صَلَاةٍ إِلَّا سَمِعْتُ الْأَذَانَ مِنَ الْقَبْرِ ۔[2] یعنی، میں نے واقعۂ حرّہ کے موقع پر دیکھا کہ مسجد نبوی

---

[1] یہ حدیث "صحیح لغیرہ" ہے جسے امام ابویعلیٰ نے "مسند ابی یعلیٰ" (۶۵۸۴ مطبوعۃ: دار المامون التراث، دمشق) میں روایت کیا اور علامہ نور الدین ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۵/۸، مطبوعۃ: دار الکتاب العربی، بیروت) میں لکھا قلت: فی الصحیح بعضہ اور امام احمد نے اسے روایت کیا جس کی سند میں کثیر بن زید ہے امام احمد اور محدّثین کی ایک جماعت نے اسے ثقہ کہا اور نسائی وغیرہ نے ضعیف اور بقیہ تمام رجال ثقات ہیں۔ اس کا کچھ حصہ جو صحیح میں ہے اسے امام بخاری نے "صحیح البخاری" کے کتاب البیوع، باب قتل الخنزیر (رقم الحدیث: ۲۲۲) میں اور کتاب المظالم، باب کسر الصلیب الخ (رقم الحدیث: ۲۴۷۶) میں اور کتاب أحادیث الأنبیاء، باب نزول عیسی ابن مریم علیہما السلام (رقم الحدیث: ۳۴۴۸-۳۴۴۹) میں، مسلم نے "صحیح مسلم" کے کتاب الإیمان، باب نزول عیسی ابن مریم الخ (رقم الحدیث: ۲۴۲-۲۴۳/۱۵۵) میں، ترمذی نے "جامع الترمذی" کے کتاب الفتن، باب ،ماجاء فی نزول عیسی ابن مریم (رقم الحدیث: ۲۲۳۳) میں، ابن ماجہ نے "سنن ابن ماجۃ" کے کتاب الفتن، باب فتنۃ الدجال وخروج عیسی ابن مریم الخ (رقم الحدیث: ۴۰۷۸) میں، اور احمد نے "المسند" (۱/۴۱۱، ۴۸۲، ۴۹۴، ۵۳۸، ۲/۲۴۰، ۲۷۲، ۲۹۰، ۳۹۴، ۴۰۶) میں اور طیالسی (۲۲۹۷) نے حضرت ابو ہریرۃ سے روایت کیا ہے۔

[2] اس کو ابونعیم نے "دلائل النبوۃ" (برقم: ۵۱۰، مطبوعۃ: دار النفائس بیروت) میں اور ابن سعد "الطبقات الکبریٰ" (۵/۱۳۲، مطبوعۃ: دار صادر، بیروت) میں روایت کیا جس کی سند میں ایک راوی عبدالحمید بن سلیمان ہے جو کہ ضعیف ہے۔

میں میرے سوا کوئی دوسرا نہ تھا جب نماز کا وقت ہوتا میں حضور ﷺ کی قبر انور سے اذان کی آواز سنتا تھا۔

حدیث (۱۵)......اورزبیر بن بکار نے "أخبار المدينة" میں سعید بن میسّب سے روایت کی کہ لَمْ أَزَلْ أَسْمَعُ الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ فِيْ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَيَّامَ الْحَرَّةِ حَتّٰى عَادَ النَّاسُ ۔یعنی، ایام حرہ میں میں مسلسل روضہ رسول ﷺ سے اذان واقامت کی آواز سنتا رہا یہاں تک کہ لوگ واپس آئے۔

حدیث (۱۶)...... اورابن سعد نے "الطبقات" میں حضرت سعید بن المسیب (تابعی) سے روایت کیا کہ أَنَّهٗ كَانَ يُلَازِمُ الْمَسْجِدَ أَيَّامَ الْحَرَّةِ، وَالنَّاسُ يَقْتَتِلُوْنَ، قَالَ: فَكُنْتُ إِذَا حَانَتِ الصَّلَاةُ، أَسْمَعُ أَذَاناً يَخْرُجُ مِنْ قِبَلِ الْقَبْرِ الشَّرِيْفِ[1] یعنی، ایامِ حرہ میں جب لوگ قتل ہو رہے تھے تو وہ مسجد نبوی میں تھے پھر فرماتے ہیں کہ جب نماز کا وقت آتا تو میں قبر مبارک سے اذان کی آواز سنتا تھا۔

الحدیث......امام دارمی نے اپنی "مسند" میں فرمایا کہ مروان بن محمد نے سعید بن عبدالعزیز سے روایت کی کہ لَمَّا كَانَ أَيَّامُ الْحَرَّةِ لَمْ يُؤَذَّنْ فِيْ مَسْجِدِ النَّبِيِّ ثَلَاثاً، وَلَمْ يَبْرَحْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ الْمَسْجِدَ، وَكَانَ لَا يَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلَاةِ إِلَّا هَمْهَمَةً يَسْمَعُهَا مِنْ قَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ[2] جن ایاّم میں واقعۂ حرہ پیش آیا۔اُن دنوں مسجدِ نبوی میں تین دن تک نہ اذان ہوئی نہ تکبیر کہی گئی۔ان دنوں سعید بن میسّب مسجد نبوی میں مقیم رہے۔قبرِ انور سے جب ایک آواز آتی تو انہیں نماز کا وقت معلوم ہو جاتا۔

فائدہ:......یہ روایات نبی کریم ﷺ اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام کے زندہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

قرآن سے استدلال:

اللہ تعالیٰ نے شہداء کرام کے حق میں فرمایا ہے۔

[1] اسے ابن سعد زہری نے "الطبقات" (۱۳۲/۵) میں اور ذہبی نے "سیر أعلام النبلاء" (۲۳۹/۴) میں روایت کیا ہے۔
[2] اسے امام دارمی نے اپنی "سنن" کے باب: ما أكرم الله تعالى نبيه ﷺ الخ (برقم: ۹۳۰) میں روایت کیا ہے۔

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ (ال عمران: ۱۶۹/۳)

ترجمہ: اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں۔(کنزالایمان)

فائدہ:......انبیاء علیہم السلام تو شہداء کے مقابلہ میں حیات کے زیادہ مستحق ہیں۔اس لئے کہ وہ شہداء کی بہ نسبت بہت زیادہ بزرگی اور عظمت والے ہیں ہر نبی میں نبوت اور شہادت دونوں صفتیں پائی جاتی ہیں۔اس لئے وہ آیت کے عموم میں پائے جاتے ہیں۔[1]

فائدۂ اُویسی غفرلہٗ:......

یہ تو منکرین حیات الانبیاء کو بھی تسلیم ہے کہ انبیاء علیہم السلام شہداء سے اکمل اور اجل اور اعظم ہیں اور ایسا بہت کم ملے گا کہ کسی نبی علیہ السلام کو وصفِ نبوت کے ساتھ وصفِ شہادت حاصل نہ ہو۔لہٰذا انبیاء علیہم السلام آیت کے عموم میں داخل ہیں۔(فائدۂ اُویسی ختم ہوا)

شہادت نبی علیہ السلام کی دلیل حدیث سے

حدیث (۱۷)......امام احمد اور ابو یعلیٰ اور طبرانی اور حاکم "المستدرک" میں اور بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ لَأَنْ أَحْلِفَ تِسْعاً أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قُتِلَ قَتْلاً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَحْلِفَ وَاحِدَةً أَنَّهٗ لَمْ يُقْتَلْ، وَذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَهٗ نَبِيًّا وَاتَّخَذَهٗ شَهِيْداً[2] یعنی، میں نو دفعہ اگر اس

[1] اسی طرح امام تقی الدین سبکی نے "شفاء السقام" کے باب نہم، فصل اول کے آخر (ص۱۸۷۔۱۸۸) میں لکھا ہے۔
[2] اس حدیث کی اسناد "صحیح" ہیں جسے امام احمد نے "المسند" (۳۸۱/۱، ۴۰۸) میں، ابو یعلیٰ نے "مسند أبي يعلى" (برقم: ۵۰۲۷)، میں، طبرانی نے "المعجم الكبير" (برقم: ۱۰۱۱۹) میں، حاکم نے "المستدرک على الصحيحين" میں، عبدالرزاق نے "المصنف" (۲۶۹۵، برقم: ۹۵۷) میں اور بیہقی نے "دلائل النبوة" میں روایت کیا اور حاکم نے اسے "صحیح" قرار دیا اور ذہبی نے اس میں ان کی موافقت کی، علامہ نور الدین ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۳۴/۹) میں لکھا کہ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور ان کی مثل ابو یعلیٰ نے اختصار کے ساتھ روایت کیا اور ابو یعلیٰ کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

بات کی قسم کھاؤں کہ آنحضرت ﷺ شہید کئے گئے ہیں تو اس سے میں صرف ایک دفعہ قسم کھانے کو پسند کرتا ہوں کہ وہ بیشک شہید تو نہیں کئے گئے لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو نبی بھی قرار دیا ہے اور شہید بھی۔

حدیث (۱۸)...... بخاری اور بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت محمد ﷺ اس مرض میں جس میں آپ کا وصال ہوا فرماتے تھے کہ "لَمْ أَزَلْ أَجِدُ أَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِي أَكَلْتُ بِخَيْبَرَ، فَهٰذَا أَوَانُ انْقَطَعَ أَبْهَرِيْ مِنْ ذَالِكَ السَّمِّ"[1] یعنی، مجھے ہمیشہ اس کھانے کا درد محسوس ہوتا رہا جو میں نے خیبر میں کھایا تھا سو اب اسی زہر سے میرے دل کی رگ قطع ہو رہی ہے (یعنی وہی زہر میرے وصال کا باعث ہوگا)۔

فائدہ:...... اس حدیث کی روشنی میں جہاں حضور ﷺ شہید ٹھہرے تو ساتھ ہی روضۂ اقدس میں آپ کا زندہ ہونا بھی ثابت ہوا خواہ عموم لفظ سے ہو یا موافقت مفہوم سے۔

امام بیہقی نے "کتاب الإعتقاد"[2] میں فرمایا۔ انبیاء علیہم السلام کی روح قبض کرنے کے بعد اُن کی رُوحیں لوٹا دی جاتی ہیں۔ لہٰذا شہیدوں کی طرح وہ بھی (یقیناً) اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔

موت کیا ہے؟

امام قرطبی نے "تذکرہ"[3] میں حدیثِ صعقہ کو اپنے شیخ سے نقل کر کے فرمایا کہ موت عدم محض کا نام نہیں بلکہ وہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے۔

---

[1] یہ حدیث "صحیح" ہے جسے امام بخاری نے "صحیح البخاری" کے کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته (رقم الحدیث: ۴۴۲۸) میں احمد نے "المسند" (۱۸/۶) میں، دارمی نے "سنن الدارمی" (رقم الحدیث: ۳۳،۴۴۹۱) میں، حاکم نے "المستدرک علی الصحیحین" (۶۰/۳، برقم: ۴۳۹۳) میں بیہقی نے "السنن الکبریٰ" (۱۱/۱۰) میں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری" (تحت الحدیث: ۴۱۷۳) میں روایت کیا ہے۔

[2] الإعتقاد علی منهب السلف للبیهقی، ص۱۷۳، مطبوعة: دار الکتب العلمیة، بیروت

[3] التذکرة فی أحوال الموتی والأخرة للبیهقی، ص۱۶۹، مطبوعة: المکتبة السلفیة، المدینة المنورة

اس پر دلیل یہ ہے کہ شہداء اپنے قتل و موت کے بعد زندہ ہیں، رزق دیئے جاتے ہیں اور (نعمائے الٰہی کی) خوشخبری حاصل کرتے ہیں یہ صفت دنیا میں زندوں کی صفات سے ہیں اور جب یہ حال شہداء عظام کا ہے تو انبیاء کرام بطریق اَولیٰ اس کے مستحق ہیں۔

اور یہ بات تحقیق کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام کو زمین نہیں کھاتی[1]۔ نبی ﷺ کی ملاقات شبِ معراج بیت المقدس میں اور آسمانوں میں انبیاء علیہم السلام سے ہوئی اور آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا۔[2] اور حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ آپ سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔[3] وغیرہ ذالک، جن سے یہ بات قطعی طور پر معلوم ہوگئی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی موت صرف اس امر کی طرف راجع ہے کہ ہم سے وہ اس طرح غائب کر دیئے گئے کہ (عادۃً) اب ہم ان کو نہیں پا سکتے۔ اگرچہ وہ زندہ ہیں، موجود ہیں، اور ان کا حال ایسے ہے جیسے ملائکہ کرام کا حال ہے کہ وہ بھی زندہ اور موجود ہیں لیکن انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا (سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی کرامات سے نوازا ہے جیسے اولیاء اللہ)۔

فوائد اویسی:...... احادیث منقولہ بالا سے انبیاء علیہم السلام کی حیات حقیقی کے ساتھ حسبِ ذیل امور مستفاد ہوئے۔

۱)...... انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبروں میں نماز پڑھنا اور دفن کے چالیس راتیں گذرنے کے بعد ان کا قبروں سے اُٹھا لیا جانا۔

۲)...... ہمارے نبی اکرم ﷺ پر دُرود شریف پیش کیا جانا اور سرکار ﷺ کا دُرود شریف سننا۔

۳)...... انبیاء علیہم السلام کے اجسام مقدسہ کا کھانا زمین پر حرام ہونا۔

۴)...... دُور سے پڑھنے والے کا دُرود حضور ﷺ کو پہنچایا جانا۔

---

[1] جیسا کہ اسے امام ابن ماجہ نے اپنی "سنن" کے کتاب الجنائز، باب ذکر وفاته و دفنه ﷺ (برقم ۱۶۳۷) میں روایت کیا۔

[2] اس کی تخریج رقم الحدیث: ۱۔۲ کے حاشیہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

[3] اس کی تخریج رقم الحدیث: ۱۹ کے حاشیہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

۵)......ایک فرشتہ حضور کی قبرِ انور پر مقرر ہے جو تمام مخلوق کی آوازیں سنتا ہے اور ہر ایک دُرود پڑھنے والے کا دُرود حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔

۶)......حضور ﷺ کی قبرانور میں دُرود شریف ہدیہ کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

۷)......حضور ﷺ کا علم وفات شریف کے بعد ایسا ہی ہے جیسے حیات مقدسہ میں تھا۔

۸)......حضور ﷺ دُرود بھیجنے والوں کا نام ونسب روشن صحیفے میں لکھتے ہیں۔

۹)......حضور ﷺ نے شبِ معراج خود اپنے آپ کو جماعت انبیاء علیہم السلام میں دیکھا۔

۱۰)حضور ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبرِ انور میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا۔

۱۱)حضور ﷺ نے ابنِ مریم وابراہیم علیہما السلام کو نماز پڑھتے دیکھا۔

۱۲)......حضور ﷺ نے نمازِ انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی۔

۱۳)......تمام لوگ نفخۂ اولیٰ کے وقت بے ہوش ہو جائیں گے سب سے پہلے حضور ﷺ کو افاقہ ہوگا۔

۱۴)......عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر حضور ﷺ کے مزارِ مبارک پر کھڑے ہو کر اگر حضور ﷺ کو پکاریں تو حضور ﷺ انہیں جواب دیں گے۔

۱۵)......قبرانور سے ہر نماز کے وقت اذان اور تکبیر کی آواز کا آنا۔

۱۶)......ہر سلام بھیجنے والے کو سلام بھیجنے کے وقت رسول اللہ ﷺ پر ردِّ روح ہونا اور ہر ایک کو حضور ﷺ کا جواب دینا۔ امور مفصلہ بالا سے حیات بعد الوفات کے علاوہ مندرجہ ذیل عنوانات نکلتے ہیں۔

(۱)......انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبروں میں نماز پڑھنا۔

(۲)......حضور ﷺ پر دُرود وسلام پیش کیا جانا۔

(۳)......اجسادِ انبیاء علیہم السلام کا بعد الوفات محفوظ رہنا۔

(۴)......وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کے علم وادراک اور سمع وبصر کا برقرار رہنا۔

(۵)......بعد الوفات انبیاء علیہم السلام کے اعمال وتصرفات کا برقرار رہنا۔

(۶)......بارگاہِ اقدس ﷺ میں دُرود شریف کا بصورت ہدیہ پیش کرنا۔

(۷)......قبور سے اجسادِ انبیاء علیہم السلام کا اُٹھایا جانا۔

مزید تفصیل ہم نے کتاب ''حیاۃ النبی ﷺ'' میں لکھ دی ہے۔ (فوائد اویسی ختم ہوئے)

اقوالِ ائمہ کرام

۱)......علامہ بارزی[1] سے پوچھا گیا کہ کیا نبی ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں آپ ﷺ زندہ ہیں۔

[1] علامہ بارزی قاضی شرف الدین ہبۃ اللہ بن عبدالرحیم بارزی ہیں۔

۲)......استاد ابوالمنصور عبدالقاہر بن طاہر بغدادی فقیہہ اور اصولی جو شیخ الشافعیہ ہیں ''مسائل جاجرمیین کے جوابات'' میں فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب میں سے متکلمین محققین نے فرمایا کہ نبی ﷺ اپنے وصال باکمال کے بعد زندہ ہیں اور اپنی امت کی اطاعتوں سے خوش ہوتے ہیں اور گنہگاروں کے گناہوں سے غمگین ہوتے ہیں اور ان کی امت میں سے کوئی ان پر دُرود بھیجتا ہے تو وہ انہیں پہنچتا ہے۔

۳)......یہی استاذ ابومنصور فرماتے ہیں کہ اجسادِ انبیاء علیہم السلام بوسیدہ نہیں ہوتے اور زمین بھی ان کے اجسام کے کسی حصے کو نہیں کھا سکتی۔ دیکھئے موسیٰ علیہ السلام اپنے زمانے میں فوت ہوئے اور ہمارے نبی ﷺ نے خبر دی کہ میں نے انہیں اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اور حدیثِ معراج میں بھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے انہیں چوتھے آسمان پر دیکھا، اور آدم علیہ السلام کو آسمانِ دنیا پر دیکھا، اور ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو انہوں نے مَرْحَبًا بِابْنِ الصَّالِحِ، اور مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ کہا۔

جب ہمارے لئے یہ اصل صحیح طور پر ثابت ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ اپنے وصال باکمال کے بعد زندہ ہوگئے اور اپنی نبوت پر بدستور قائم ہیں۔ (یہ استاد عبدالقاہر کے کلام کا آخری حصہ ہے۔)

۴)......شیخ السنہ حافظ الحدیث ابوبکر بیہقی ''الإعتقاد''[1] میں فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی روحیں بعد از قبض انہیں لوٹا دی جاتی ہیں اور وہ شہداء کی طرح اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور ہمارے نبی ﷺ نے جماعتِ انبیاء علیہم السلام کو دیکھا اور اُن کی نماز میں امامت فرمائی

[1] الإعتقاد على مذهب السلف للبيهقي، ص ۱۷۳، مطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت

اورآپ ﷺ نے یہ بھی خبردی اور یقیناً آپ کی خبر سچی ہے کہ ہم اُمتیوں کا دُرود حضور ﷺ پر پیش کیا جاتا ہے اور ہمارا سلام حضور ﷺ کو پہنچتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔ اور (امام بیہقی نے) فرمایا: ہم نے انبیاء علیہم السلام کی حیات کے اثبات میں الگ کتاب لکھی[1] ہے۔

۵)...... نیز فرمایا[2] کہ روح مبارک قبض ہونے کے بعد بھی حضور ﷺ اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے صفی (یعنی، برگزیدہ) اور اس کی ساری مخلوق میں بہترین اور پسندیدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ان پر دُرود ہو۔

اے اللہ! ہمیں ان کی سنّت پر زندہ رکھ اور ان کی مِلّت پر موت دے اور ہمیں ان کے ساتھ دُنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں جمع فرما۔ بے شک تُو ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔''

(یہاں پر) بارزی کا جواب ختم ہوا۔

۶)...... شیخ عفیف الدین یافعی فرماتے ہیں اللہ کے ولیوں پر ایسے احوال وارد ہوتے ہیں کہ جن میں وہ آسمانوں اور زمینوں کے حقائق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور وہ انبیاء علیہم السلام کو مُردہ نہیں بلکہ ''زندہ'' دیکھتے ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں ''زندہ'' (نماز پڑھتے ہوئے) دیکھا۔

۷)...... امام یافعی فرماتے ہیں کہ یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ جو چیزیں انبیاء کرام علیہم السلام کو بطور معجزہ مل سکتی ہیں وہ اولیاء کرام کو بطور کرامت مل سکتی ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ایسی چیز نہ ہو جس میں دعوتِ معارضہ پائی جائے۔

---

[1] اس کا نام "حیاۃ الأنبیاء علیهم السلام بعد وفاتهم" ہے

[2] یعنی، قاضی شرف الدین ہبۃ اللہ بن عبدالرحیم بارزی نے فرمایا۔

پھر فرماتے ہیں کہ ان باتوں کا انکار سوائے جاہل کے اور کوئی نہیں کرسکتا۔[1] اور فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات میں علماء اعلام کے بے شمار روشن بیانات موجود ہیں لیکن ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔

فوائد اویسی:

ائمہ عظام اور علماء کرام نے رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ پر خوش بختوں کو خواب میں یا بیداری میں زیارت سے مشرف فرمانے سے بھی استدلال فرمایا ہے جسے فقیر نے اپنی کتاب ''تحفة الصلحاء فی زيارة النبی فی الیقظة والرؤیا'' میں واضح کیا ہے، اور حدیث پاک کے لفظ ہیں ''مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَيَرَانِیْ فِی الْيَقْظَةِ.''[2] یعنی، جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے جاگتے ہوئے دیکھے گا۔ لیکن بعض حضرات نے ایک قول ''یوم القیمة'' کا بھی کہا ہے یعنی وہ رؤیت (دیکھنا) قیامت میں ہوگا۔

۱)...... **جواب:**

نامعلوم قیامت میں دیکھنا انہوں نے کہاں سے نکال لیا ہے ظاہر ہے کہ قیامت میں جمال مصطفوی ﷺ کے دیدار پر مؤمن مشرف ہوگا۔ خواہ اس نے آپ کو خواب میں دیکھا ہوگا یا نہ۔ بھلا اگر قیامت میں دیکھنا

---

[1] بعض جہلاء اس کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں ''دین میں ایسی بات قبول کی جاتی ہے جس پر کتاب وسنّت کی دلالت ہو اور یہاں پر امام یافعی سے کہا جائے کہ آپ کے قول کی دلیل کیا ہے۔'' ان کی یہ بات جہالت نہیں تو اور کیا ہے امام یافعی کا قول ہے کہ جو چیزیں انبیاء علیہم السلام کو بطور معجزہ مل سکتی ہیں وہ اولیاء عظام علیہم الرضوان کو بطور کرامت مل سکتی ہیں اور وہ چیزیں انبیاء کرام کو بطور معجزہ دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور وہی مالک اپنی قدرت سے چاہے تو وہ چیزیں اولیاء کرام کو بطور کرامت دے سکتا ہے اس کی دلیل ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (البقرة:۲/۲۰) اور ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ (البروج:۸۵/۱۶) اور دیگر آیات اور احادیث ہیں۔

[2] اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' کے کتاب التعبیر، باب من رأی النبی ﷺ فی المنام (رقم الحدیث:۶۹۹۳) میں، ابوداؤد نے اپنی ''سنن'' کے کتاب الأدب، باب فی الرؤیا (رقم الحدیث:۵۰۱۳) میں روایت کیا ہے اور علامہ شمس الدین ابن القیم نے ''شرح سنن ابی داؤد'' (مطبوعة مع عون المعبود شرح سنن أبی داؤد) نے مذکورہ حدیث کے تحت لکھا کہ امام بخاری نے اس میں شک نہ کیا (کہ جس نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا وہ عنقریب حالت بیداری میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوگا) بلکہ فرمایا ''مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَيَرَانِیْ فِی الْيَقْظَةِ، وَلَا يَتَمَثَّلُ الشَّيْطَانُ بِیْ''

مرادتھاتو بجائے ''فِی الْیَقْظَۃِ '' کہنے کہ خود حضورا کرم ﷺ نے ''یَوْمَ الْقِیَامَۃِ'' کیوں نہ فرمادیا۔آپ کا ''فِی الْیَقْظَۃِ ''فرمانا قیامت کے دن کی رؤیت پراس خواب کے محمول کرنے والوں کی تردید کرتا ہے۔ کیونکہ رؤیتِ منامی اس دنیا میں حاصل ہوئی اس کی تعبیر خود آقائے نامدار ﷺ نے یہ فرمائی کہ وہ مجھے جاگتے میں دیکھے گا اور ظاہر ہے کہ جاگنے کی حالت ہمیں اس دنیا میں حاصل ہے اور بہ نسبت نیند کے، جاگنا بیشتر میسر ہے۔پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ہمیں اس دنیا کے یَقْظَہ (جاگنے) میں حاصل نہ ہو۔

۲)......**جواب**:

ماہرین تعبیرات پر یہ بھی مخفی نہیں کہ بیشتر خوابوں کا نتیجہ اسی سے متعلق ہوتا ہے چنانچہ دوسرے کئی خوابوں کی تعبیر کو حضور ﷺ نے خود دنیا میں ہی پورا ہونا بتایا ہے اور حدیث میں تو بعبارت واضحہ جاگنے میں دیکھنے کی تعبیر ہے۔

۳)......**جواب**:

صحابہ بھی یہی تعبیر لیا کرتے تھے کہ آپ کو دیکھنے والا آپ کی طرف منسوب کرے گا۔ حضور آقائے نامدار ﷺ کی ملاقات نصیب ہوگی۔شارحین حدیث نے اس کو بیان فرمایا ہے چنانچہ غیر مقلِّدین کے مُعتمد علیہ علماء میں سے مولوی شمس الحق عظیم آبادی نے بھی اس حدیث کا یہ معنی بیان کیا ہے۔ یعنی،یا (یہ معنی ہے کہ) جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس حالت میں کہ اس نے ہجرت نہیں کی تھی۔اللہ تعالیٰ اس کو میری طرف ہجرت کی اور میری ملاقات سے مشرف ہونے کی توفیق دے گا اور اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے خواب میں دیکھنے کو جاگنے میں دیکھنے کی علامت بناتا ہے۔''[1]

اور اس تعبیر مذکورہ کی واقعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مزید تائید کرتا ہے وہ واقعہ فقیر نے اپنی کتاب ''حاضروناظر کا ثبوت'' (مطبوعہ:قطب مدینہ پبلشرز،کراچی) میں بیان کیا ہے۔

سوال:...... یہ حدیث اپنے اس معنی میں حضورا کرم ﷺ کے زمانہ سے ہی مخصوص ہے۔

جواب نمبر۱:...... حضور ﷺ اپنے ہر حکم اور فرمان میں تخصیص کا ارادہ نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ عموم مقصود ہوتا تھا ورنہ اس کی ناسخ حدیث بیان فرمادیتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس حدیث کی ناسخ کوئی حدیث نہیں۔

۲)......علامہ شغوانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی جمرہ کے حاشیہ (صفحہ ۱۷۷) میں اس قول کو نقل کر کے ردّ کر دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

[1] عون المعبود شرح سنن أبی داؤد ، المجلد (۱۳)، کتاب الأدب ، باب في الرؤیا ، رقم الحدیث:۵۰۱۳،ص۲۴۹،مطبوعة :دارلکتب العلمیة، بیروت الطعبة الأولیٰ۱۴۱۹ھ-۱۹۹۸م).

اور یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ یہ حدیث اس شخص کے حق میں مخصوص ہے جو حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں مسلمان ہوا اور ان کی طرف ہجرت نہ کی پس آپ کو خواب میں دیکھا تو یہ اس کے لئے اس پر دلیل ہے کہ اس شخص کے لئے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اجتماع (ملاقات) ضرور ہے۔

اور یہ جواب اس وجہ سے مردود ہوا کہ نبی ﷺ اپنی حدیث میں تخصیص کا ارادہ نہیں فرماتے بلکہ عمومِ نفع مقصود ہوتا ہے اور اس وجہ سے بھی (وہ قول مردود ہوا) کہ عموم لفظ ہی تو اصل (دلیل) ہے۔

اور اس پر حضرات صوفیاء رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال اور واقعات صادقہ وصحیحہ بھی پوری طرح تردید کرتے ہیں۔

صوفیاء کرام کے واقعات غیر عدیدہ میں سے ایک یہاں پڑھئے۔

ابوالحسن خرقانی رحمته الله علیه:

حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مُتعلِّم حدیث کو حدیث پڑھا رہے تھے۔پڑھاتے ہوئے ایک مقام پر آپ نے فرمایا۔یہ حدیث حضور ﷺ سے مروی نہیں، مُتعلِّم نے پوچھا۔آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا تم کتاب کو دیکھ رہے ہو اور میں روئے رسالت مآب ﷺ کو دیکھ رہا ہوں۔اس موقعہ پر حضور ﷺ کے ابروئے مبارک پر شکن دیکھ کر میں سمجھ گیا ہوں کہ اس حدیث سے حضور انکار فرما رہے ہیں اور ظاہر فرمارہے ہیں کہ یہ میرا ارشاد نہیں۔ (تذکرۃ الاولیاء،حصہ دوم،صفحہ ۳۰۸،مطبوعة:شبیر برادرز لاہور)

فائدہ:......معلوم ہوا کہ ہمارے حضور ﷺ آج بھی بدستور زندہ ہیں اور امت کے احوال سے باخبر ہیں۔

اس تقریر سے حدیث صحیحہ ''مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَأی الْحَقَّ ''[1] یعنی،''جس نے مجھے خواب میں دیکھا پس تحقیق اس نے مجھ ہی کو دیکھا'' کا ایک معنی واضح ہوگیا کہ فَقَدْ رَأی الْحَقَّ کا مفہوم یہ ہوگا کہ

[1] اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی ''صحیح'' کے کتاب التعبیر، باب من رأی النبی ﷺ في المنام (رقم الحدیث:۶۹۹۶-۶۹۹۷) میں مَنْ رَآنِیْ فَقَدْ رَأَی الْحَقَّ کے الفاظ سے ترمذی نے ''الشمائل المحمدیة'' کے باب ماجاء في رؤیة رسول ﷺ فی المنام (رقم الحدیث :۴۱۴) میں مَنْ رَآنِیْ فِی النَّوْمِ فَقَدْرَأی الْحَقَّ کے الفاظ سے اور مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِیْ کے الفاظ سے روایت کیا ہے اور علامہ شمس الدین ابن قیم الجوزیہ نے ''شرح سنن أبی داؤد '' میں ''صحیحین'' کے حوالے سے کتاب الأدب، باب في الرؤیا (رقم الحدیث :۵۰۱۳) کے تحت نقل کیا ہے۔ اور امام بخاری کی اپنی ''صحیح'' کے مذکورہ بالا باب میں (رقم الحدیث: ۶۹۹۳) اور کتاب العلم ، باب إثم من کذب علی النبی ﷺ (رقم الحدیث:۱۱۰) میں اور ترمذی کے ''الشمائل المحمدیة'' کے باب ماجاء فی رؤیة رسول ﷺ فی المنام (رقم الحدیث:۴۰۷عن ابن مسعود و۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱عن أبی هریرة و۴۱۲ عن ابن عباس ۴۱۵عن أنس) میں مروی حدیث کے الفاظ ہیں مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِیْ یعنی،جس نے مجھے خواب میں دیکھا پس تحقیق اس نے مجھے ہی دیکھا۔

جس نے مجھے خواب میں دیکھ لیا پس وہ مجھے یقیناً دیکھے گا۔[1]

سوال:-----

اگر کہا جائے فَقَدْ رَأٰی تو صیغہ ماضی کا ہے جس کا معنی دیکھ لیا ہوتا ہے اور مستقبل کا معنیٰ کیسے بن سکتا ہے؟

جواب ۱:-----

یہ ہے تو ماضی کا صیغہ مگر از دیادِ یقین خود قرآن مجید میں مستعمل ہے۔

جواب ۲:-----

یہ "مَــن" جواب میں ہے جو کہ شرطیہ ہے اور شرط کا جواب مضارع ہوتا ہے خواہ ماضی میں ہو۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "اشعة اللمعات" میں اسی حدیث کے تحت فرمایا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کو حالت بیداری میں اس جہان سے رخصت ہونے کے بعد دیکھنے کے متعلق بعض محدِّثین نے کہا ہے کہ اس کی نقل صحابہ وتابعین میں سے کسی سے نہیں پہنچی ہاں بعض صالحین سے اس باب میں حکایات وارد ہوئیں اور صحت کو پہنچیں اور وہ حکایات وروایاتِ مشائخ بے شمار ہیں جو حدِّ تواتر کے قریب پہنچی ہیں اور اس حال کے منکرین کراماتِ اولیاء کو مانتے ہونگے یا نہیں، اگر نہیں مانتے تو اُن سے بحث ہی ساقط ہے کیونکہ وہ اس چیز کے منکر ہیں جس کو قرآن وحدیث نے ثابت کیا ہے اور اگر (کرامات اولیاء کو) مانتے ہیں تو پھر باعث انکار کیا ہے۔ الــخ[2] حالانکہ بہت سے بزرگوں کو بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی اس بارے میں سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی حکایات مشہور ہیں۔

سوال:-----

وہ ملاقات کب اور کس طرح میسر آتی ہے؟

جواب:-----

اصل مسئلہ تو ہر حال ثابت ہی رہے گا اگر چہ کوئی بھی صورت ہو۔ اس بحث میں پڑنا فضول ہے تاہم عمر میں کسی وقتِ صالح اور حالِ صالح میں ملاقات میسر آجانا ممکن ہے بعض کو موت سے تھوڑا پیشتر ملاقات

[1] اس حدیث کے تحت علامہ ابن حجر "فتح الباری شرح بخاری" میں لکھتے ہیں "اس حدیث سے مراد جو میرے لئے ظاہر ہوئی وہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا چاہے کہ کسی بھی صفت پر دیکھا ہو دیکھنے والے کے لئے بشارت ہے اور اسے یقین سے جان لینا چاہئے کہ اس نے سچا خواب دیکھا جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے نہ کہ جھوٹا خواب جسے حلم کہتے ہیں" (برقم:۱۶۹۶)

[2] اشعة اللمعات شرح مشكوة، كتاب الرؤيا ء ، الفصل الاوّل (برقم:۴۴۰۴)

نصیب ہوئی ہے اور بعض کے لئے اس کا دوام یا تعدّد بھی پایا گیا ہے بعض (خود مصنف کتاب نے حالتِ بیداری میں ستر (۷۰) بار سرکار ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔) کو اس طرح ملاقاتیں نصیب ہوئیں کہ روضہ اقدس پر حاضر ہوئے۔ وہاں مصافحہ تک بھی نصیب آیا۔ (یعنی، شیخ سید کبیر احمد رفائی علیہ الرحمہ کو) اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِفَضْلِهِ الْعَمِيْمِ. (آمین)

بیداری میں زیارت:......

حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

اور "مواهــب اللدنيه" میں کہا ہے کہ ابن منصور نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ شیخ ابو العباس قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کی پس آپ نے ان کے حق میں دعا فرمائی اور فرمایا کہ اے احمد! اللہ تیرا ہاتھ پکڑے، اور شیخ ابو مسعود سے لائے ہیں کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہر نماز کے بعد مصافحہ کرتے۔ قطب الوقت ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں آنحضرت ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوا، آپ نے فرمایا، اے علی! اپنے کپڑوں کو میل کچیل سے پاک کرو، اور سید نور الدین یحیٰی سے منقول ہے فرماتے ہیں میں نے قبر انور سے اپنے سلام کا جواب ان الفاظ کے ساتھ سنا کہ آپ نے فرمایا عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا وَلَدِیْ (تم پر سلام ہو میرے بیٹے) اور شیخ ابو العباس مرسی سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی حضور ﷺ کا جمال باکمال میری نظروں سے پوشیدہ ہو جائے تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں سے شمار نہ کروں۔[1] (فوائد اویسی ختم ہوئے)

فصل:......

حدیث (۱۹)......اور رہی دوسری حدیث تو اس کی روایت امام احمد نے اپنی "مسند" میں اور ابوداؤد نے اپنی "سنن" میں اور بیہقی نے "شعب الإيمان" میں ابو عبدالرحمٰن المُقری کے طریق سے کی ہے جو حیوۃ بن شریح سے اور وہ ابو صخر سے وہ یزید بن عبداللہ بن قسیط سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

[1] اشعة اللمعات ، كتاب الرؤياء، الفصل الأول (برقم:۴۴۰۴)

"مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ إِلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ".[1]

یعنی، کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام بھیجے، لیکن اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو واپس کر دیتا ہے حتیٰ کہ میں اُسے اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔"[2]

اس میں شک نہیں کہ حدیث شریف کے ظاہر الفاظ سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات آپ کی مبارک روح آپ کے جسم اطہر سے جُدا ہوتی ہے حالانکہ یہ امر احادیث سابقہ کے منافی ہے۔

---

[1] اس حدیث کو امام ابوداوٗد نے اپنی "سنن" کے کتاب المناسک، باب زیارة القبور (رقم الحدیث: ۲۰۴۱) میں بلفظ إلّا ردّ اللّٰهُ عَلَيَّ، احمد نے "المسند" (۲/۲۲۷) میں، بیہقی نے "سنن الکبریٰ" کے کتاب الحج، باب زیارة النبی ﷺ (۵/۲۴۵) میں اور "حیاة الأنبیاء" (رقم الحدیث: ۱۶) میں طبرانی نے "الأوسط" (رقم الحدیث: ۳۰۹۲) میں، اسحاق بن راہویہ نے اپنی "مسند" میں مسند أبی هریرة (ص۲۰۴، برقم: ۵۲۰) میں روایت کیا ہے اور اس کے محقق نے کہا اس کی اسناد "حسن" ہیں اس کے رجال شیخین کے رجال ہیں، ولی الدین تبریزی نے "مشکاة المصابیح" کے کتاب الصلاة، باب الصلاة علی النبی ﷺ وفضلها، الفصل الثانی (رقم الحدیث: ۹۲۵/۷) میں نقل کرنے کے بعد لکھا کہ اس حدیث کو امام ابوداوٗد نے روایت کیا اور بیہقی نے "الدعوات الکبیر" میں روایت کیا ہے ابونعیم اصفہانی نے "تاریخ أصبهان" (۲/۳۵۳) میں: علامہ نورالدین ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۱۰/۱۶۲) میں منذری نے "الترغیب والترهیب" (۲/۴۹۹) میں، متقی ہندی نے "کنز العمال" (برقم: ۲۲۰۰) میں ابن کثیر نے اپنی تفسیر "ابن کثیر" (۶/۴۶۴) میں، امام سیوطی نے "الحاوی للفتاوی" (۲/۲۶۴) اور "اللآلي المصنوعة" (۱/۱۴۷) میں زبیدی نے "اتحاف السادة الیقین" (۴/۴۱۹، ۱۰/۳۶۵) میں نقل کیا ہے (بحوالہ موسوعة أطراف الحدیث النبوی الشریف ۹/۲۳۰_۲۳۱، مطبوعة: دار الفکر، بیروت) اور اس حدیث کو امام نووی نے "الأذکار" میں "صحیح" قرار دیا ہے۔ اور علامہ تقی الدین سبکی نے اس حدیث کو ابوداوٗد کی سند سے نقل کر کے فرمایا هذا أسناد صحیح (شفاء السقام، الباب الثانی ص۴۰_۴۱، مطبوعة: نوریه رضویه، لاهور) اور امام سخاوی نے نقل کیا کہ اس حدیث کو احمد، ابوداوٗد، طبرانی اور بیہقی نے اسناد "حسن" کے ساتھ روایت کیا، بلکہ نووی نے "الأذکار" میں "صحیح" قرار دیا۔ الخ (القول البدیع فی الصلاة علی الحبیب الشفیع، الباب الرابع، ص۱۶۱، مطبوعة: دار الکتب العربی، بیروت)، اور قاضی عیاض نے اس حدیث کو "الشفاء" میں نقل کیا ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں "والحدیث رواه ابو داؤد، وأحمد، والبیهقی وسنده حسن" (شرح الشفاء، القسم الثانی، الباب الرابع، فصل فی تخصیصه ﷺ بتبلیغ الخ ص۱۴۳)

[2] قاضی عیاض نے اس حدیث کو "الشفاء" میں نقل کیا جس کے تحت ملا علی قاری (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

جوابات:......

میں نے اس حدیث پر غور و فکر کیا تو مندرجہ ذیل جوابات میری عقل میں آئے۔

۱)......ان میں سب سے کمزور جواب ہے کہ کہا جائے راوی کو حدیث کے کسی لفظ میں غلطی لگی ہے جس کی وجہ سے یہ اشکال پیدا ہوا، علماء نے اس قسم کی بے شمار غلطیوں کا ذکر کثیر احادیث کے ذیل میں کیا ہے مگر اصل اس کے خلاف ہے، اس لئے کہ راوی کی غلطی کا دعویٰ قابلِ اعتماد نہیں۔

۲)......یہ جواب نہایت قوی ہے اور اس کا ادراک وہی کر سکتا ہے جسے عربیت میں پورا کمال حاصل ہو اور وہ یہ ہے کہ "إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ" جملہ حالیہ ہے، اور عربی قاعدہ کے مطابق جب فعل ماضی جملہ حالیہ واقع ہو تو وہاں "قَدْ" ضرور مُقدّر رہتا ہے جیسے اس آیت میں ﴿أَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ﴾ الآیة (النسآء: ۴/۹۰)

ترجمہ: یا تمہارے پاس یوں آئے کہ ان کے دلوں میں سکت نہ رہی۔ (کنز الایمان)

اِسی طرح یہاں بھی چونکہ فعلِ ماضی جملہ حالیہ واقع ہوا ہے اس لئے لفظ "قد" مُقدّر مانا جائے گا اور جملہ ماضیہ کو ہر سلام بھیجنے والے کے سلام سے پہلے تسلیم کرنا ہوگا نیز یہ کہ "حتیٰ" یہاں تعلیل کے لئے نہیں، بلکہ محض حرف عطف ہے جو بمعنی واوٗ کے ہے۔

اس تقدیر پر مفہوم یہ ہوگا کہ: "جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے وہ اس حال میں سلام بھیجتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سلام بھیجنے سے پہلے ہی مجھے میری روح لوٹا دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اشکال صرف اس گمان کی بنا پر پیدا ہوا ہے کہ جملہ "رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ" بمعنی حال ہے یا استقبال ہے اور یہ گمان ہوا کہ "حتیٰ" تعلیلہ ہے، حالانکہ ایسا نہیں۔

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) لکھتے ہیں کہ حدیث شریف کا ظاہر اطلاق ہر مکان اور ہر زمانہ کو شامل ہے (یعنی نبی ﷺ کو کوئی بھی کسی جگہ سے بھی اور کسی زمانہ میں بھی سلام کرے تو آپ اُسے جواب ارشاد فرماتے ہیں) اور جس نے کہا سلام کا جواب دینا زیارت کے وقت کے ساتھ خاص ہے اس پر لازم ہے کہ (اپنے اس موقف کو دلائل کے ساتھ) بیان کرے (شرح الشفاء، القسم الثانی، الباب الرابع، فصل فی تخصیصه علیه الصلاة والسلام بتبلیغ صلاة من صلّی علیه من الأنام)

ہماری اس تقریر سے اشکال اپنی جڑ سے منقطع ہو گیا، پھر معنیٰ کے اعتبار سے بھی اس کی تائید اس طرح ہوتی ہے کہ اگر لفظ ''رَدَّ'' کو استقبال کے معنیٰ میں لیا جائے تو سلام کرنے والوں کے سلام کی تکرار کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کی روح اقدس کے لوٹائے جانے کی تکرار بھی لازم آئے گی اور رُوحِ مبارک کے بار بار لوٹائے جانے سے یہ لازم آئے گا کہ روح اقدس جسم مبارک سے بار بار جدا ہو، اور روح انور کے جسم اطہر سے بار بار جدا ہونے میں دو طرح کی خرابیاں آئیں گی۔

☆...... ایک یہ کہ جسم انور سے روح اقدس کے بار بار خروج کی وجہ سے حضور ﷺ کو تکلیف ہونا، یا کم از کم حضور ﷺ کی روح مبارک کے خروج کے تکرار کا آپ کی عظمت و بزرگی کے منافی ہونا۔

☆...... دوسرا یہ کہ روح مبارک کا بار بار خروج اور جسم میں داخل ہونا شہداء وغیرہم کی شان کے ہی خلاف ہے کیونکہ ان کے بارے میں یہ بات کہیں بھی ثابت نہیں کہ عالمِ برزخ میں ان کی ارواح بار بار جدا ہوتی ہیں اور بار بار ان کے اجسام میں واپس آتی ہیں۔ نبی ﷺ تو اس بات کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کی مبارک روح ہمیشہ آپ کے مقدس جسم میں رہے اور یہی اعلیٰ مرتبہ ہے (جسے حضور ﷺ کی شان ارفع کے لائق کہا جائے۔)

☆...... تیسری خرابی (بھی لازم آتی ہے) اور وہ قرآن کی مخالفت ہے (یعنی، روح اقدس کا جسم مبارک سے بار بار خروج اور پھر واپس آنا، قرآن کی نص کے خلاف ہے) کیونکہ قرآن مجید اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ موت صرف دو مرتبہ ہے اور حیات بھی صرف دو مرتبہ ہے اور اس تکرار (یعنی، بار بار روح کے نکلنے اور واپس آنے) سے تو بے شمار موتیں لازم آتی ہیں اور یہ (قرآن مجید کی روشنی میں) باطل ہے۔

☆...... اس کے علاوہ ایک چوتھی خرابی بھی لازم آتی ہے اور وہ احادیث متواترہ سابقہ کی مخالفت ہے اور (اصول یہ ہے کہ) جو چیز قرآنِ مجید اور سنّتِ متواترہ کے خلاف ہو اس کی تاویل واجب ہے۔ اور اگر وہ تاویل کو قبول نہ کرے تو (اس کے) باطل (ہونے میں کوئی شک نہیں ہے) لہٰذا اس حدیث کا اس معنیٰ پر محمول کرنا لازم ہے جو ہم اس سے پہلے بیان کر آئے ہیں۔

۳)...... لفظ ''رَدَّ'' ہمیشہ مفارقت پر ہی دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ کبھی مطلق صیرورۃ سے ہی کنایہ کیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں شعیب علیہ السلام سے حکایۃً وارد ہوا۔

﴿قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ﴾ الآیۃ (الأعراف: ۸۹/۷)

ترجمہ: ضرور ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں گے اگر تمہارے دین میں آجائیں۔ (کنزالایمان)

یہاں ''عود'' کے لفظ سے مطلق صیرورۃ مراد ہے یہ نہیں کہ پہلے ان کی ملّت سے شعیب علیہ السلام نکل گئے تھے اور اب وہ نکلنے کے بعد واپس آنے کی بات کر رہے ہوں کیونکہ شعیب علیہ السلام کبھی بھی کفار اور مشرکین کی ملّت میں نہ تھے۔

اور اس حدیث میں تو اس لفظ ''رَدَّ'' کے استعمال میں ایک بڑی خوبی یہ پائی جاتی ہے کہ اسے لفظی مناسبت کی رعایت کے لئے لایا گیا ہے کیونکہ بعد میں ''حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ'' فرمایا یعنی کلام کی ابتداء میں ''رَدَّ'' کا لفظ اس لئے لایا گیا کہ آخر میں ''أَرُدَّ'' ارشاد فرمانا تھا۔

۴)...... یہ بہت قوی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''رَدِّ رُوْح'' سے یہ مراد نہیں کہ وہ بدن شریف سے خارج ہو کر بدن مبارک میں واپس آتی ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ عالمِ برزخ میں ملکوت کے احوال اور مشاہدہ الٰہی میں بالکل اسی طرح مشغول اور مستغرق ہیں جس طرح دنیا کی حیات ظاہری میں حالتِ وحی اور دوسرے اوقات میں ہوتے تھے۔

لہٰذا اس مشاہدہ اور استغراق کی حالت سے افاقہ کو "رَدِّ روح" سے تعبیر فرمایا ہے۔[1]

اس کی نظیر علماء کا وہ قول ہے جو حدیثِ معراج واقع ہونے والے لفظ "اِسْتَيْقَظْتُ" کی تشریح میں وارد ہوا ہے یہ لفظ بعض احادیثِ معراج میں مروی ہے حدیث کی عبارت یہ ہے۔

حدیث (۲۰) ...... فَاسْتَيْقَظْتُ وَأَنَا بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ.[2] یعنی، پس میں نیند سے بیدار ہوا حالانکہ میں مسجد حرام میں تھا۔

یہاں لفظ "استیقاظ" سے نیند سے بیدار ہونا مراد نہیں ہے کیونکہ معراج نیند میں نہیں ہوئی،[3] بیداری میں ہوئی ہے اس لئے حضور ﷺ کی مراد عجائبِ ملکوت کے مشاہدے میں مشغولیت سے افاقہ ہے۔[4]

---

[1] امام تقی الدین سبکی نے "شفاء السقام" باب ثانی کے آخر میں اور ان کے حوالے سے علامہ سخاوی نے "القول البدیع" فوائد باب رابع کے پانچویں فائدے کے آخر میں نقل کیا کہ دوسرا یہ احتمال ہے کہ رَدّ سے مراد رَدِّ معنوی ہو کہ حضور ﷺ کی مبارک روح اللہ تعالیٰ کی جناب میں مشغول اور ملاء اعلیٰ کی طرف متوجہ رہتی ہے جب کوئی سلام کرتا ہے تو روح اقدس اس جہان میں سلام کرنے والے کی طرف متوجہ ہوتی ہے تاکہ سلام کو سن کر اس کا جواب دیں۔

[2] اس حدیث کو امام بخاری نے "صحیح البخاری" کے کتاب التوحید، باب ماجاء في قول اللّٰه ﷻ: ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا﴾ (النساء:۴/۱۶۴) (رقم الحدیث: ۷۵۱۷) میں قال: وَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ فِي مَسْجِدِ الْحَرَامِ کے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

[3] حق وہی ہے جو مؤلف نے ثابت کیا بے شک اسراء (کا وقوع) روح مع الجسد حالت بیداری میں ہوا نہ کہ حالت نیند میں، قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے "الشفاء" میں لکھا صحیح یہ ہے کہ اسراء کا وقوع پورے سفر میں جسم اور روح کے ساتھ ہوا اور اسی پر آیت اور صحیح احادیث دلالت کرتی ہیں، اور لکھتے ہیں کہ معظم اسلاف اسی پر ہیں کہ اسراء جسم اور روح کے ساتھ جاگتے ہوئے ہوئی اور یہی حق ہے اور یہی ابن عباس، جابر، انس، حذیفہ، عمر، ابوہریرہ، مالک بن صعصعہ، ابو حبّہ بدری، ابن مسعود اور تابعین میں ضحاک، سعید بن جبیر، قتادہ، ابن المسیب، ابن زید، حسن بصری، ابراہیم نخعی، مسروق، مجاہد، اور عکرمہ کا قول ہے (القسم الأول، الباب الثالث، فصل ثم اختلف السلف الخ ص ۴۱۰۔۴۱۱، مطبوعۃ: دارالکتب العلمیۃ، بیروت) اور نصِ قرآنی جس پر دلالت کرتی ہے اس میں اور اس حدیث شریف میں مطابقت اس طرح ہوگی کہ آپ ﷺ معراج شریف میں واپسی کے بعد مسجد میں آرام فرما ہوئے۔ ملا علی قاری نے بھی "شرح الشفاء" میں اس حدیث کے تحت تطبیق کے بارے میں یہی کہا۔

[4] اسی طرح ملا علی قاری نے "شرح الشفاء" (القسم الأول، الباب الثالث، فصل: ثم اختلف السلف والعلماء هل كان أسراء بروحه وجسده؟ ص ۴۱۰) میں لکھا ہے

(امام سیوطی فرماتے ہیں) کہ لفظ "رَدَّ" کی تاویل میں اس وقت میرے نزدیک یہ جواب سب سے زیادہ قوی ہے اس سے قبل مین جواب ثانی کو ترجیح دے چکا ہوں۔ اس کے بعد میرے نزدیک قوی جواب یہ ہے۔

۵)...... پانچویں وجہ یہ ہے کہ کہا جائے کہ لفظ "رَدَّ" استمرار کو لازم ہے (یعنی، حضور ﷺ کی روح مبارک بدن اقدس ہی میں رہے) کیونکہ کوئی گھڑی ایسی نہیں جب کہ کوئی نہ کوئی اُمتی آپ پر دُرود و سلام نہ بھیجتا ہو۔ لہٰذا کوئی وقت بھی روح اقدس کے بدن اطہر میں ہونے سے خالی نہیں (یعنی، حضور ﷺ کی مبارک روح کا بدن اقدس میں ہر وقت ہونا ضروری ہے)

۶)...... کہا جاسکتا ہے کہ پہلے حضور ﷺ کو وحی کے ذریعے یہی بتایا گیا ہو مگر بعد میں آپ کو وحی کی گئی کہ آپ قبر انور میں ہمیشہ زندہ رہیں گے لہٰذا دونوں حدیثوں میں (حدیث ثانی کے حدیث اوّل سے متاخر ہونے کی وجہ سے) کوئی تعارض نہیں (کیونکہ دونوں میں تقدّم و تأخر پایا جاتا ہے۔)

(امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں) یہ وہ جوابات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر مُنکشِف فرمائے اور ان میں سے کوئی جواب میں نے کسی سے منقول نہیں پایا۔

پھر یہ جوابات لکھنے کے بعد میں نے تاج الدین فاکہانی مالکی کی کتاب "الفجر المنیر فیما فضل به البشیر النذیر" کو دیکھا۔ اس میں انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ حسبِ ذیل ہے۔ "ترمذی"[1] میں روایت کی گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "جب کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھے واپس مرحمت فرما دیتا ہے کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔"[2]

---

[1] اس کی تخریج کے لئے حدیث (۱۹) ملاحظہ فرمائیں۔ اور ترمذی کی طرف اس حدیث کی نسبت درست نہیں ہے۔

[2] امام تقی الدین سبکی "شفاء السقام" کے باب ثانی، فصل في علم النبي ﷺ الخ (ص ۵۱) میں نقل کرتے ہیں سلیمان بن سحیم سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں میں خواب میں نبی ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا تو میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ یہ لوگ آپ کی بارگاہ میں آتے ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

اس حدیث سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ علی الدّوام (یعنی، ہمیشہ) زندہ ہیں، اس لئے کہ یہ عادۃً محال ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا وقت پایا جائے کہ حضور ﷺ پر کوئی دُرود وسلام نہ بھیج رہا ہو خواہ دن ہو یا رات۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ نبی ﷺ کے فرمان، ''رَدَّا اللّٰهُ إِلَيَّ رُوْحِيْ'' کے ساتھ آپ ﷺ کا ہمیشہ زندہ ہونا مطابقت نہیں رکھتا، بلکہ اس حدیث سے تو یہ لازم آتا ہے کہ ایک لمحہ میں آپ کئی بار زندہ ہوں اور کئی بار وفات پائیں ۔اس لئے کہ کائنات میں ہر گھڑی کوئی نہ کوئی آپ ﷺ پر دُرود وسلام بھیجتا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا، بلکہ ایک ہی ساعت میں بے شمار لوگ حضور ﷺ پر سلام بھیجتے ہیں۔

تو اس اعتراض کے جواب میں یہ کہا جائے کہ یہاں رُوح سے مجازاً نُطق (بولنے کی قوت) مراد لیا گیا ہے گویا، حضور ﷺ نے فرمایا، ''إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ إِلَيَّ نُطْقِيْ'' (یعنی، مگر اللہ تعالیٰ میری طرف میرے نُطق یعنی قوت گویائی کو لوٹا دیتا ہے) اور حضور ﷺ علی الدّوام زندہ ہیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حیات کے ساتھ ہر لحظہ نُطق بھی حضور ﷺ کے لئے ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر سلام بھیجنے والے کے سلام کے وقت حضور ﷺ کو نُطق عطا فرما دیتا ہے۔اور مجاز کا علاقہ یہ ہے کہ نُطق کے لئے لازم ہے روح کا وجود، جیسا کہ روح کے لئے لازم ہے نُطق کا وجود چاہے وجود نُطق بالفعل ہو یا بالقوہ۔ لہٰذا حضور ﷺ نے اَحدُ المتلازِمَین سے دوسرے کو تعبیر فرمایا اور ایک کا ذکر فرما کر دوسرے کو مراد لیا۔

اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ روح دوبار سے زیادہ نہیں لوٹتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) کیا آپ ان کے سلام کو جانتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں (میں جانتا ہوں) اور میں ان کے سلام کا جواب دیتا ہوں اور ابراہیم بن بشار فرماتے ہیں ایک سال میں نے حج کیا اور مدینہ منوّرہ آیا روضہ انور پر حاضر ہوا سلام عرض کیا تو میں نے حجرہ مبارکہ کے اندر سے (جواب) وعلیک السلام سُنا۔

﴿قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ﴾ الأية (المؤمن:۱۱/۴۰)

ترجمہ: کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہمیں دوبار مردہ کیا اور دوبار زندہ کیا۔ (کنز الایمان)

یہ عبارت شیخ تاج الدین فاکہانی مالکی کے کلام کی ہے،[1] ان کا یہ جواب میرے بیان کردہ چھ جوابات کے علاوہ ہے لہٰذا بر تقدیرِ تسلیم یہ ساتواں جواب ہوگا۔

مگر یہ جواب میرے نزدیک درست نہیں کیونکہ اسکی ظاہری عبارت سے ایسا ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عالمِ برزخ میں زندہ ہونے کے باوجود بعض اوقات نُطق سے روکے گئے ہیں، بلکہ اِسی وقت حضور کو نُطق دیا جاتا ہے جب کوئی سلام کرنے والا انہیں سلام کرتا ہے اور یہ قید لگانا بہت قبیح بلکہ ممنوع ہے اِس لئے کہ عقل و نقل دونوں اس کے خلاف گواہی دیتے ہیں۔

نقلاً اس لئے کہ جو روایات نبی کریم ﷺ و دیگر انبیاء علیہم السّلام کے برزخی حالات کے متعلق آئی ہیں وہ اس بات کی تصریح کرتی ہیں کہ انبیاء علیہم السّلام جس طرح چاہیں برزخ میں کلام کرتے ہیں اور انہیں کسی بات سے روکا نہیں جاتا۔ کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ کسی نبی کو برزخ میں کلام کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ بلکہ تمام مؤمنین اور اسی طرح شہداء وغیرہم سب عالمِ برزخ میں جو کچھ چاہتے ہیں بولتے ہیں اور ان کے لئے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں اور برزخ میں کسی کے لئے بولنے کی ممانعت مروی نہیں ہے سوائے اس شخص کے جو وصیت کئے بغیر مر جائے۔

حدیث (۲۱)...... چنانچہ ابو الشیخ بن حیان نے کتاب ''الوصایا'' قیس بن قبیصہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "مَنْ لَمْ يُوْصِ لَمْ يُؤْذَنْ لَهُ فِي الْكَلَامِ مَعَ الْمَوْتٰى ، قِيْلَ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَ هَلْ تَتَكَلَّمُ الْمَوْتٰى ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَيَتَزَاوَرُوْنَ" یعنی، جو شخص وصیت کئے بغیر مر جائے گا اُسے مُردوں سے بات کرنے کی اجازت نہیں دی

---

[1] علامہ فاکہانی نے اسی جواب کو علامہ سخاوی نے ''القول البديع'' میں عنوان "رسول الله ﷺ حيّ على الدوام"، (ص۱۷۳، مطبوعة : دار الكتاب العربي ،بيروت) کے تحت نقل کیا ہے۔

جائے گی۔عرض کیا گیا،یارسول اللہ! ﷺ کیا مُردے بھی کلام کرتے ہیں؟

فرمایا:ہاں،صرف کلام نہیں بلکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی زیارت بھی کرتے ہیں۔[1]

امام تقی الدین سبکی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ......

انبیاء اور شہداء علیہم السلام قبروں میں اسی طرح زندہ ہیں جس طرح وہ دُنیا میں زندہ تھے،اس کی دلیل موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا ہے۔کیونکہ نماز کے لئے زندہ جسم کا ہونا ضروری ہے،اسی طرح معراج میں انبیاء علیہم السلام کی جو صفات بیان کی گئیں وہ بھی جسمانی صفات ہیں۔لیکن انبیاء علیہم السلام کے حقیقی طور پر زندہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دنیا کی طرح برزخ میں بھی ان جسموں کو دُنیاوی کھانے پینے کی ضرورت رہے مگر ادراکات جیسے علم اور سمع،تو بلاشک انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہیں اور یہی حال باقی وفات یافتہ لوگوں کا ہے۔[2] (یہاں پر) امام سبکی کا کلام ختم ہوا۔

اور (امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فاکہانی کے جواب کے خلاف عقل ونقل کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے نُطق کو سلام کرنے والے کے سلام کی قید کے ساتھ سے مقید کرنے کے خلاف) عقل کی شہادت یہ ہے کہ بعض اوقات حضور ﷺ کو نُطق اور گویائی سے روک دینا قید اور عذاب ہے،اِسی وجہ سے تارکِ وصیّت کو یہ سزا دی جائے گی اور نبی ﷺ اس سے منزّہ ہیں۔لہٰذا نُطق سے روک دینا حضور ﷺ کے وصال باکمال کے بعد آپ کے ساتھ کسی طرح بھی لاحق نہ ہوگا۔

---

[1] محقق محمد ابوصعیلیک اور ابراہیم محمد العلی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اسے صاحب کنز العمال نے "کنز العمال" (برقم:۴۲۰۸۰،۴۲۰۸۶) میں ابوالشیخ (فی الوصایا) کی طرف منسوب کیا اور امام سیوطی نے بھی اس کے ضُعف کی طرف اشارہ فرمایا جیسا کہ "فیض القدیر" (۲۲۵/۶،رقم الحدیث:۹۰۳۳) میں ہے اھ۔اور میں (محمد عطاء اللہ نعیمی) کہتا ہوں کہ یہ حدیث وصیت کی فضیلت میں وارد ہے اگر ضعیف ہے تو بھی فضائل اعمال میں مفید ہے جیسا کہ علامہ سخاوی نقل کرتے ہیں کہ شیخ الاسلام ابو زکریا نووی رحمۃ اللہ علیہ نے "الأذکار" میں فرمایا کہ علماء،محدّثین،فقہاء وغیرھم نے فرمایا فضائل اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا مستحب ہے (القول البدیع،خاتمہ،ص۲۵۵،مطبوعۃ: دار الکتاب العربی،بیروت)۔و اللہ أعلم

[2] شفاء السقام،الباب التاسع،الفصل الأول،فیما ورد فی حیاۃ الأنبیاء (ص۱۹۱۔۱۹۲،مطبوعۃ: نوریہ رضویۃ،لاھور)

حدیث (۲۲)......جیسا کہ حضور ﷺ نے اپنے مرضِ وصال میں سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا "لَا کَرْبَ عَلٰی أَبِیْکَ بَعْدَ الْیَوْمِ." [1] یعنی،آج کے بعد تمہارے باپ پر کوئی تکلیف نہ ہوگی۔

جب شہداء اور عام مؤمنین بہ استثناء ان لوگوں کے جنہیں عذاب دیا جائے گا نُطق اور گویائی سے نہیں روکے جائیں گے تو حبیبِ خدا محبوبِ کبریا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو نُطق سے کیونکر روکا جا سکتا ہے (اور آپ ﷺ کو گویائی سے باز رہنے کی تکلیف کیسے دی جا سکتی ہے؟)

۷)......شیخ تاج الدین فاکہانی کے بیان سے ایک اور جواب نکلتا ہے،جسے ہم دوسرے طریقے سے بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ "روح" سے مراد نُطق ہے اور "رَدَّ" سے مراد (استمرار جُدائی کے بغیر بدستور موجود رہنا ہے) جیسا کہ تیسرے جواب میں بیان کیا گیا۔اسی طرح اس حدیث میں دو مجاز پائے گئے۔ایک مجاز لفظ "رَدَّ" میں ہے،اور دوسرا لفظ "روح" میں،یہاں پہلا استعارہ تبعیہ ہے اور دوسرا مجاز مُرسل ہے اور اس بنا پر جسے میں نے تیسرے جواب میں ثابت کیا تو ایک میں مجاز فقط لفظ "رَدَّ" میں ہوگا۔

(یعنی،اس جواب نمبر ۷ کی تقدیر پر مضمون حدیث کا خلاصہ یہ ہوگا کہ جب بھی کوئی سلام بھیجنے والا مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو میرے نُطق کو اللہ تعالیٰ میرے لئے موجود اور باقی رکھتا ہے تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دے سکوں)

---

[1] یہ حدیث صحیح ہے جسے امام بخاری نے اپنی "صحیح" کے کتاب المغازی،باب مرض النبی ﷺ ووفاته (رقم الحدیث:۴۴۶۲) میں بلفظ "لَیْسَ عَلٰی أَبِیْکِ کَرْبٌ بَعْدَ هٰذَا الْیَوْمِ"،ترمذی نے "الشمائل المحمدیة" (رقم الحدیث:۳۹۸) میں،ابن ماجہ نے اپنی "سنن" کے کتاب الجنائز،باب ذکر وفاته ودفنه ﷺ (رقم الحدیث:۱۶۲۹) میں،بیہقی نے "دلائل النبوۃ" سے جماع أبواب مرض رسول اللہ ﷺ ووفاته الخ،باب ما یؤثر عنه ﷺ من ألفاظه فی مرض موته الخ (۲۱۲/۷،مطبوعۃ: دار الکتب العلمیۃ،بیروت،الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۲۳ھ۔۲۰۰۲ء) ابن حبان نے "الإحسان" (برقم:۶۵۷۹،۶۵۸۸) میں اور عبد الرزاق نے "المصنّف" (رقم الحدیث:۶۶۷۳) میں،دارمی نے اپنی "سنن" (۵۳/۱،رقم الحدیث:۸۷) میں،احمد نے "المسند" (۱۴۱/۳،۱۹۷) میں،ابو یعلیٰ نے اپنی "مسند" (رقم الحدیث:۳۴۴۴۔۳۷۶۹) میں،(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

۸)......اس جواب سے ایک اور جواب پیدا ہوتا ہے[۱] اور وہ یہ کہ لفظ ''روح'' سے کنایۃً سمع مراد لی جائے اور حدیث کے یہ معنیٰ کئے جائیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو بطور معجزہ ایسی قوتِ سماعت مرحمت فرماتا ہے کہ آپ سلام بھیجنے والے کی آواز کو خواہ وہ کتنی ہی دور ہو سُن لیتے ہیں اور کسی پہنچانے والے کے واسطہ اور ذریعہ کے بغیر سن کر اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔ اور یہاں معتاد قوتِ سمع مراد نہیں، دُنیا میں بھی حضور ﷺ کی یہی حالت تھی کہ آپ خارقِ عادت باتیں سُن لیتے تھے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور ﷺ أَطِيْطُ السَّمَاء۔ (یعنی، آسمان کے چرچرانے کی آواز) سنتے تھے جیسا کہ میں نے[۲] کتاب ''المعجزات'' میں بیان کر دیا ہے، مگر بعض اوقات یہ حالت نہ رہتی تھی (یعنی، بطور خرقِ عادت کے آوازیں سننے کی طرف کسی حکمت کی بناء پر حضور ﷺ کی توجہ نہ رہتی تھی) لیکن پھر وہ حالت لوٹ آتی تھی (یعنی، عدمِ التفات کا حال التفات سے بدل جاتا تھا) اور کوئی چیز آپ کو اس سے مانع نہ ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ کی حالت برزخ بعینہٖ وہی ہے جو دنیا میں تھی۔

۹)......اس جواب سے ایک اور جواب اخذ کیا جاسکتا[۳] ہے اور وہ یہ کہ لفظ ''روح'' سے حضور ﷺ کی سمع معتاد ہی مراد ہو اور لفظ ''رَدّ'' سے مراد ملکوتی استغراق اور مشاہدۂ حق تعالیٰ سے افاقہ ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو اس وقت سلام بھیجنے والوں کی طرف مخاطب ہونے کے لئے اپنے مشاہدہ اور استغراقِ ملکوتی سے لوٹا دیتا ہے اور جواب دینے کے بعد آپ ﷺ اپنی سابقہ حالت کی طرف لوٹ کر استغراق ملکوتی اور مشاہدۂ حق تعالیٰ میں مشغول ہوجاتے ہیں۔

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) خطیب نے ''تاریخ بغداد'' (۲/۲۲۱۔برقم:۳۲۹۲، ترجمہ إسماعيل بن عبدالله السكري، عن أنس) میں حضرت انس کی حدیث سے روایت کیا ہے اور ولی الدین تبریزی نے ''مشكاة المصابيح'' کے کتاب أحوال القيامة، باب هجرة أصحابه ﷺ من مكة ووفاته، الفصل الأول (رقم الحديث:۵۹۶۱/۶) میں نقل کیا ہے۔

[۱] اور یہ آٹھواں جواب ہوگا۔ [۲] یعنی امام جلال الدین سیوطی نے

[۳] یہ نواں جواب ہوگا۔

۱۰)......مذکورہ بیان سے ایک اور جواب بنتا ہے اور وہ یہ ہے[۱] کہ ''رَدِّ روح'' سے مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ برزخ میں جن اعمال میں مشغول ہیں۔ مثلاً اُمّت کے اعمال کو دیکھنا۔ ان کی بُرائیوں پر ان کے لئے استغفار کرنا اور ان سے مصائب کے دُور ہونے کی دُعا فرمانا، اطرافِ زمین میں برکت دینے کے لئے آمد ورفت رکھنا اور اُمّتِ مرحومہ سے جو صالحین فوت ہوجاتے ہیں ان کے جنازوں پر تشریف لانا وغیر ذالک۔ ان تمام اعمال سے آپ ﷺ کو فراغت حاصل ہوجائے۔

بے شک حضور ﷺ عالم برزخ میں انہی اُمور میں مشغول رہتے ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا۔ جیسا کہ احادیث وآثار میں وارد ہے اور چونکہ آپ پر سلام بھیجنا افضل ترین عمل اور سب سے بڑی قُربت ہے اس لئے حضور ﷺ پر سلام بھیجنے والوں کے لئے یہ خاص عنایت ہوگی کہ حضور ﷺ اس (سلام بھیجنے والے) کو شرف عطا فرمانے اور اس کے سلام کا بدلہ دینے کے لئے اپنے اہم مشاغل سے فارغ ہوکر اس کی طرف توجہ فرمائیں۔

یہ کُل دس جوابات ہیں جن کا استنباط میں نے خود کیا ہے [۲]۔ جاحظ کہتے ہیں کہ عقل وفکر جب باہم ملتے ہیں تو عجیب وغریب باتیں پیدا ہوتی ہیں۔

۱۱)......اس کے بعد مجھ پر گیارہواں جواب ظاہر ہوا۔ اور وہ یہ کہ ''روح'' سے روحِ حیات مراد نہیں، بلکہ خوشی وراحت مراد ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ﴾[۳] (الواقعة:۵۶/۸۹)

یہاں ''فَرَوْحٌ'' کی راء پر ضمہ (پیش) بھی پڑھا گیا ہے اس تقدیر پر حدیث کے یہ معنیٰ ہوئے کہ حضور ﷺ کو سلام بھیجنے والوں کے سلام سے نہایت خوشی ومسرت اور راحت حاصل

[۱] اور یہ دسواں جواب ہوگا اور مؤلف کے لئے ممکن تھا کہ اس جواب کو بھی پہلے دیئے گئے جوابات میں شمار کرتے۔

[۲] یعنی امام جلال الدین سیوطی [۳] ترجمہ: تو راحت ہے اور پھول۔ (کنز الایمان)

ہوتی ہے اس لئے کہ حضور ﷺ اپنے لئے سلام کو بہت محبوب رکھتے ہیں، اور یہی خوشی آپ ﷺ کو سلام کا جواب دینے پر آمادہ کرتی ہے۔

۱۲)..... پھر بارہواں جواب میرے ذہن میں آیا اور وہ یہ کہ "روح" سے وہ رحمت مراد ہے جو دُرود وسلام کے اجر سے پیدا ہوتی ہے۔

علّامہ ابنِ اثیر نے "النهايه"[1] میں یہ فرمایا کہ لفظ "روح" جس طرح قرآن مجید میں کئی معنیٰ میں آیا ہے۔ اُسی طرح احادیث نبویہ میں بھی متعدد معانی میں وارد ہوا ہے، لفظ "روح" کا اکثر استعمال اسی روح کے معنیٰ میں ہے جس کے ساتھ جسم زندہ رہتا ہے، اس کے علاوہ قرآن، وحی، رحمت اور جبرئیل پر بھی لفظِ روح کا اطلاق کیا گیا ہے۔ (یہاں پر) ابن اثیر کا کلام ختم ہوا۔

ابنِ منذر نے اپنی تفسیر میں حسن بصری ﷺ سے روایت کی کہ انہوں نے ﴿فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ﴾[2] (الواقعة: ۸۹/۵۶) کو فتح را (را کو زبر) کی بجائے ضمہ کے ساتھ پڑھا اور کہا کہ "روح" کے معنیٰ رحمت ہیں اس سے پہلے حضرت انس ﷺ کی روایت گزر چکی ہے کہ "رسول اللہ ﷺ پر آپ کی قبر انور میں دُرود اس طرح پیش کیا جاتا ہے جس طرح لوگوں کو تحائف پیش کئے جاتے ہیں۔" اس حدیث میں لفظ "صلاة" سے مراد ثوابِ صلاۃ ہے اور ثوابِ صلاۃ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا انعام ہے۔

۱۳)..... اس کے بعد مجھ پر تیرھویں جواب کا انکشاف ہوا۔ اور وہ یہ کہ لفظ "روح" سے مراد وہ فرشتہ ہے جو حضور ﷺ کی قبرِ انور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے اور جو حضور کی اُمّت کا درود وسلام حضور کی خدمت میں پیش کرتا ہے لفظ روح جبرئیل علیہ السلام کے علاوہ

---

[1] النهاية في غريب الحديث والأثر (۲۷۲-۲۷۱/۲)

[2] ترجمہ: تو راحت ہے اور پھول۔ (کنز الایمان)

دوسرے فرشتوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں[1] کہ "شرفِ ملائکہ کا نام ارواح رکھا جاتا ہے" لہٰذا "رَدَّ اللّٰهُ إِلَيَّ رُوْحِيْ" کے یہ معنیٰ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس فرشتے کو جو میری قبر پر مقرر ہے میری طرف بھیج دیتا ہے تاکہ وہ مجھے سلام پہنچا دے۔

یہ وہ جوابات ہیں جو میری سمجھ میں آئے۔ واللہ أعلم!

انتباہ:..... شیخ تاج الدین فاکہانی کے کلام میں دو ایسی باتیں آ گئی ہیں جن پر تنبیہ کرنا ضروری ہے ایک یہ انہوں نے حدیث "إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ" کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ اصحابِ کتبِ ستّہ میں سے صرف ابوداؤد نے اس کی تخریج کی ہے جیسا کہ حافظ جمال الدین مِزّی نے "الأطراف" میں ذکر کیا ہے۔

دوسرے یہ کہ فاکہانی نے اس حدیث کو لفظ "رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ" سے وارد کیا ہے "سنن ابی داؤد" میں یہ حدیث اسی طرح ہے لیکن بیہقی نے رَدَّ اللّٰهُ إِلَيَّ رُوْحِيْ کے الفاظ سے بیان کیا ہے اور یہ بہت ہی لطیف اور احسن ہے کیونکہ إلیٰ اور علیٰ کے دونوں صلوں میں لطیف فرق پایا جاتا ہے اس لئے کہ لفظ "رَدَّ" جب "علیٰ" کے ساتھ متعدی ہو تو اہانت کے معنیٰ میں آتا ہے اور "إلیٰ" کے ساتھ متعدی ہو تو عزت واکرام کے معنیٰ دیتا ہے۔

صحاح میں ہے۔[2]

رَدَّ عَلَيْهِ الشَّيْءَ إِذَا لَمْ يَقْبَلْهُ.

یعنی، جب اُسے قبول نہ کرے اور واپس کر دے تو کہتے ہیں رَدَّ عَلَيْهِ الشَّيْءَ اسی طرح یہ محاورہ بھی ہے کہ "رَدَّ عَلَيْهِ إِذَا أَخْطَاهُ" یعنی، جب کسی بات کو غلط قرار دینا ہو تو رَدَّ علیہ کہتے ہیں نیز یہ محاورہ بھی ہے،

---

[1] المفردات في غريب القرآن ص ۳۶۹، مطبوعة: دار القلم، دمشق

[2] مختار الصحاح، ردد، ص ۱۵۱، مطبوعة: دار أحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۹ھ-۱۹۹۹م

رَدَّهُ إِلٰى مَنْزِلِهٖ، وَرَدَّ إِلَيْهِ جَوَابًا أَیْ رَجَعَ.

یعنی ''اس کو اس کے گھر کی طرف لوٹا دیا اور لوٹا دیا اس کی طرف جواب۔'' اس میں ''رَدَّ'' لوٹانے کے معنیٰ میں استعمال ہوا۔

رَدَّ کے معانی قرآن میں:......

امام راغب فرماتے ہیں قرآن مجید میں پہلے معنی سے مثالیں یہ ہیں:

۱)......﴿یَرُدُّوْکُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ﴾الآیۃ[1] (ال عمران:۳/۱۴۹)

۲)......﴿رُدُّوْھَا عَلَیَّ﴾الآیۃ[2] (ص:۳۸/۳۳)

۳)......﴿نُرَدُّ عَلٰٓی اَعْقَابِنَا﴾الآیۃ[3] (الإنعام:۶/۷۱)

(یعنی، تینوں جگہ لفظ ''رَدَّ'' پہلے معنیٰ میں آیا ہے) اوردو   ے معنیٰ میں مثالیں یہ ہیں:

۱)......﴿فَرَدَدْنٰہُ اِلٰٓی اُمِّہٖ﴾الآیۃ[4] (القصص:۲۸/۱۳)

۲)......﴿لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْھَا مُنْقَلَبًا﴾الآیۃ[5] (الکھف:۱۸/۳۶)

۳)......﴿ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ﴾الآیۃ[6] (التوبۃ:۹/۹۴)

۴)......﴿ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ مَوْلٰھُمُ الْحَقِّ﴾الآیۃ[7] (الأنعام:۶/۶۲)

(یعنی، چاروں جگہ لفظ رَدّ دوسرے معنیٰ میں آیا ہے)

[1] ترجمہ: تو وہ تمہیں الٹے پاؤں لوٹا دیں گے۔ (کنزالایمان)
[2] ترجمہ: پھر حکم دیا کہ انہیں میرے پاس واپس لاؤ۔ (کنزالایمان)
[3] ترجمہ: الٹے پاؤں پلٹا دیئے جائیں۔ (کنزالایمان)
[4] ترجمہ: تو ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف پھیرا۔ (کنزالایمان)
[5] ترجمہ: تو ضرور اس باغ سے بہتر پلٹنے کی جگہ پاؤں گا۔ (کنزالایمان)
[6] ترجمہ: پھر اس کی طرف پلٹ کر جاؤ گے، جو چھپے اور ظاہر سب کو جانتا ہے۔ (کنزالایمان)
[7] ترجمہ: پھر پھیرے جاتے ہیں اپنے سچے مولیٰ اللہ کی طرف۔ (کنزالایمان)

فصل:......

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں لفظ ''رَدَّ'' کے ایک معنیٰ سپرد کرنے کے بھی ہیں۔ کہا جاتا ہے،

رَدَدْتُ الْحُکْمَ فِیْ کَذَا اِلٰی فُلَانٍ، اَیْ فَوَّضْتُہٗ اِلَیْہِ.

یعنی، میں نے اس میں فیصلہ فلاں کے سپرد کر دیا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ﴾الآیۃ (النساء:۴/۵۹)

ترجمہ: پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو۔ (کنزالایمان)

﴿وَلَوْ رَدُّوْہُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ﴾الآیۃ (النساء:۴/۸۳)

ترجمہ: اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے۔ (کنزالایمان)

(یہاں پر) امام راغب کا کلام ختم ہوا[1]

۱۴)......اس کلام کی روشنی میں حدیث زیرِ نظر سے چودھواں جواب نکلتا ہے اور وہ یہ کہ ''رَدَّ اللّٰہُ اِلَیَّ رُوْحِیْ'' سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ سلام بھیجنے والوں کے سلام کا جواب دینا رسول اللہ ﷺ کے سپرد فرما دیتا ہے اور یہ معنیٰ اس تقدیر پر ہوں گے کہ روح سے مراد یہاں رحمت لی جائے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو صلوٰۃ ہوتی ہے وہ رحمت ہی ہے تو گویا بارگاہِ رسالت میں جو شخص بھی سلام بھیج رہا ہے وہ اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ یعنی رحمت کا طلبگار ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طلب اس حدیث کے معنیٰ کو ثابت کرنے کے لئے ہے کہ

[1] المفردات فی غریب القرآن، ص۳۴۹، مطبوعۃ: دار القلم، دمشق

حدیث (۲۳) ......"مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْراً"۔[۱]

یعنی، جو شخص ایک بار مجھ پر دُرود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔

اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دُرود اس کی رحمت کے معنیٰ میں ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس امرِ رحمت کو نبی کریم ﷺ کے سپرد فرما دیا ہے کہ آپ اپنی بارگاہ میں سلام بھیجنے والے کے لئے دُعا فرمائیں (جب حضور ﷺ دعا فرمائیں گے) تو آپ کی دُعا قطعاً یقیناً قبول ہوگی۔ لہٰذا جو رحمت سلام بھیجنے والے کو حاصل ہوگی وہ صرف حضور ﷺ کی دُعا کی برکت اور آپ پر سلام بھیجنے کی وجہ سے حاصل ہوگی اور یہ ایک لحاظ سے سلام بھیجنے والے کے سلام کو قبول کرنے اور اس کو ثواب دینے کی سفارش قرار پائے گی۔ اس تقدیر پر لفظ "رُوْحِی" میں جو اضافت ہے وہ خالی ملابست کے لئے ہوگی۔

---

[۱] یہ حدیث صحیح ہے جسے حضرت ابوہریرہ ﷺ کی روایت سے امام مسلم نے "صحیح مسلم" کے کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی ﷺ بعد التشهد (رقم الحدیث: ۴۰۸/۷۰) میں، ابوداؤد نے "سنن أبی داؤد" کے کتاب الوتر، باب فی الإستغفار (رقم الحدیث: ۱۵۳۰) میں، ترمذی نے "جامع الترمذی" کے کتاب الوتر، باب ماجاء فی فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ (رقم الحدیث: ۴۸۵) میں، نسائی نے "سنن المجتبیٰ" کے کتاب السهو، باب الفضل فی الصلاۃ علی النبی ﷺ (رقم الحدیث: ۱۲۹۲) میں، دارمی نے اپنی "سنن" کے کتاب الرقاق، باب الفضل صلاۃ علی النبی ﷺ (رقم الحدیث: ۲۷۷۲) میں، احمد نے "المسند" (۳۷۲/۲، ۳۷۵، ۴۸۵) میں، قاضی اسماعیل نے "فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ" (برقم: ۹) میں روایت کیا اور ولی الدین تبریزی نے "مشکاۃ المصابیح" کے کتاب الصلاۃ: باب الصلاۃ علی النبی ﷺ وفضلها (رقم الحدیث: ۹۲۱) میں نقل کیا ہے اور حضرت انس بن مالک ﷺ کی روایت سے امام بخاری نے "الأدب المفرد" "باب من ذکر عنده النبی ﷺ یصلّ علیه (رقم الحدیث: ۶۶۰) میں، نسائی نے "سنن المجتبیٰ" کے کتاب السهو، باب الفضل فی الصلاۃ علی النبی ﷺ (رقم الحدیث: ۱۲۹۳) میں، حاکم نے "المستدرک علی الصحیحین" (۱۰۰/۱) میں، ابن ابی شیبہ نے "المصنّف" (۵۱۷/۲) میں، احمد نے "المسند" (۱۰۲/۳، ۲۶۱) میں روایت کیا اور ولی الدین تبریزی نے "مشکاۃ المصابیح" کے کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی ﷺ وفضلها، الفصل الثانی (رقم الحدیث: ۹۲۲) میں نقل کیا اور امام حاکم نیشاپوری نے اس حدیث کو "صحیح" قرار دیا اور امام ذہبی نے ان کی اس میں موافقت کی۔

حدیث (۲۴) ......اور اس کی نظیر حدیث شفاعت میں آپ کا فرمان ہے کہ "فَيَرُدُّهَا هٰذَا إِلٰى هٰذَا، وَهٰذَا إِلٰى هٰذَا حَتّٰى يَنْتَهِيَ إِلٰى مُحَمَّدٍ" یعنی، انبیاء علیہم السلام امر شفاعت کو ایک دوسرے کی طرف سونپیں گے یہاں تک کہ امرِ شفاعت حضور ﷺ کی طرف پہنچے گا۔[۱]

حدیث (۲۵) ......اور حدیث معراج میں وارد ہے کہ "لَقِيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ إِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى، فَتَذَاكَرُوْا أَمْرَ السَّاعَةِ، فَرَدُّوْا أَمْرَهُمْ إِلٰى إِبْرَاهِيْمَ، فَقَالَ: لَا عِلْمَ لِيْ بِهَا، فَرَدُّوْا أَمْرَهُمْ إِلٰى مُوْسٰى، فَقَالَ: لَا عِلْمَ لِيْ بِهَا، فَرَدُّوْا أَمْرَهُمْ إِلٰى عِيْسٰى" یعنی، جس رات معراج کرائی گئی اس رات مجھے ابراہیم و موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام

---

[۱] حدیث شفاعت حضرت ابوہریرۃ ﷺ سے مروی ہے جسے امام بخاری نے "صحیح البخاری" کے کتاب أحادیث الأنبیاء، باب: الأرواح جنود مجنّدة (رقم الحدیث: ۳۳۴۰) میں اور باب ﴿يَزِفُّوْنَ﴾ (الصافات: ۹۴/۳۷): النّسلان فی المشی (رقم الحدیث: ۳۳۶۱) میں کتاب التفسیر، سورۃ بنی إسرائیل، (۵) باب: ﴿ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا﴾ (الإسراء ۳/۱۷) (رقم الحدیث: ۴۷۱۲) میں، امام مسلم نے "صحیح مسلم" کے کتاب الإیمان، باب: أدنی أهل الجنّة منزلة فیها (رقم الحدیث: ۳۲۷/۱۹۴) میں، امام ترمذی نے "جامع الترمذی" کے کتاب صفة القیامة، باب ماجاء فی شأن الصراط (رقم الحدیث: ۲۴۳۴) میں، ابن ابی شیبہ نے "مصنّف إبن أبی شیبه" (۲۴۴/۱۱_۲۴۷) میں، ابن مندہ نے "الإیمان" (رقم الحدیث: ۸۷۹_۸۸۲) میں، ابوعوانہ نے (۱۷۱/۱)، میں احمد نے "المسند" (۴۳۵/۲_۴۳۶) میں روایت کیا اور حضرت انس بن مالک ﷺ کی مروی حدیث ہے جسے امام بخاری نے "صحیح البخاری" کے کتاب الرقاق، باب: صفة الجنة والنار (رقم الحدیث: ۶۵۶۵) میں، کتاب التوحید، باب: قول الله تعالیٰ: ﴿لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ (ص، ۷۵/۳۸) (رقم الحدیث: ۷۴۱۰) میں، اسی کتاب کے باب: قول الله تعالیٰ ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (القیامة: ۲۲/۷۵، ۲۳) (رقم الحدیث: ۷۴۴۰) میں، اسی کتاب میں باب کلام الرّبّ تعالیٰ یوم القیامة مع الأنبیاء وغیرهم (رقم الحدیث: ۷۵۱۰) میں، اسی کتاب میں باب: ماجاء فی قوله عزوجلّ: ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ (النساء: ۱۶۴/۴)، (رقم الحدیث: ۷۵۱۶) میں، امام مسلم نے "صحیح مسلم" کے کتاب الإیمان، باب: أدنیٰ أهل الجنة منزلة فیها (رقم الحدیث: ۳۲۲/۱۹۳) میں، ابن ماجہ نے "سنن إبن ماجه" کے کتاب الزهد، باب ذکر الشفاعة (رقم الحدیث: ۴۳۱۲) میں اور احمد نے "المسند" (۱۱۶/۳، ۲۴۴، ۲۴۸) میں روایت کیا ہے۔

ملے پھرانہوں نے قیامت کا تذکرہ کیا۔تو (بالآخر) سب نے ابراہیم علیہ السلام پر معاملہ چھوڑ دیا۔ انہوں نے جواب دیا مجھے اس کا علم نہیں ۔پھر موسیٰ علیہ السلام پر چھوڑا۔انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔پھرانہوں نے اس معاملے کوعیسیٰ علیہ السلام پر چھوڑ دیا۔[1]

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اس صورت میں مذکورہ حدیث کے یہ معنیٰ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اس رحمت کا معاملہ جو سلام بھیجنے والے کو میرے سبب سے حاصل ہوگا میرے سپرد فرما دیتا ہے،تو اس رحمت کے لئے میں بہ نفس نفیس اس طرح دُعا کرتا ہوں کہ سلام بھیجنے والے کے سلام کے جواب میں لفظ سلام کہتا ہوں اور اس کے حق میں دُعا کرتا ہوں۔

۱۵)......اس کے بعد پندرھواں جواب مجھ پر ظاہر ہوا کہ روح سے مراد وہ رحمت وراحت ہے جو حضور ﷺ کے قلبِ اطہر میں اُمّت کے لئے پائی جاتی ہے اور وہ رحمت جو آپ کی جبلت مقدسہ میں شامل ہے۔

بعض اوقات حضور ﷺ ان لوگوں سے خفا ہوجاتے ہیں جن کے گُناہ زیادہ ہوجاتے ہیں اور وہ محرمات کے مرتکب ہوجاتے ہیں:

حدیث (۲۶)...... چونکہ حضور ﷺ پر دُرود بھیجنا گناہوں کی مغفرت کا سبب ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے خود ارشاد فرمایا۔

---

[1] امرِ قیامت کے ذکر کی حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے امام احمد نے ''المسند'' (۳۷۵/۱) میں،ابن ماجہ نے ''سنن إبن ماجه'' کے كتاب الفتن ، باب فتنة الدجال وخروج عيسى بن مريم الخ (رقم الحديث:۴۰۸۱) میں،ابن جریر نے ''جامع البيان فی تفسير القرآن'' (۷۲/۱۷) میں، حاکم نے ''المستدرک علی الصحیحین'' (۴۸۸/۴_۴۸۹)(۵۴۵/۴_۵۴۶) میں روایت کیا ہے اور امام حاکم نے اسی حدیث کو ''صحیح'' قرار دیا اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''فتح الباری'' (۷۹/۱۳) میں اور احمد شاکر نے ''المسند'' (۳۵۵۶) پر اپنی تعلیق میں ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

"إِذاً تُكْفٰى هَمُّكَ وَيُغْفَرُ ذَنْبُكَ".[1]

یعنی،(جب کہ تم دُرود شریف کی کثرت کروگے) تو غم سے محفوظ کردیئے جاؤ گے اور تمہارے گناہ معاف کردیے جائینگے۔

لہٰذا آپ ﷺ نے یہ بتایا کہ جو شخص بھی مجھ پر درود وسلام بھیجتا ہے خواہ اس کے گناہ کتنے ہی زیادہ ہوں،آپ کی فطری رحمت آپ کی طرف لوٹ آتی ہے اور آپ بذات خود اس کے سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں اور اس شخص کے اس سے پہلے کے گناہ آپ کیلئے اس کے سلام کا جواب دینے سے رُکاوٹ کا موجب نہیں ہوسکتے۔

یہ نفیس فائدہ اور عظیم الشان بشارت ہے یہ فائدہ ''مِن'' زائدہ کو أحد منفی پر لانے سے جو استغراق میں،''مِن'' کی زیادتی سے قبل ہی ظاہر تھا(یعنی ''مِن'' زائدہ کو نفی کے موقع پر لانے سے) استغراق نفی پر نص ہوگئی اور اس بات کا احتمال نہ رہا کہ یہاں ذکر عام کا ہے اور مراد خاص ہے۔

یہ اُن جوابات کا آخری جواب ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر فرمائے۔اگر اس کے بعد کوئی اور جواب مجھ پر منکشف ہوا تو اس کو بھی ان کے ساتھ شامل کردیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے احسان وکرم کے ساتھ توفیق مرحمت فرمانے والا ہے۔

زیادہ قوی جواب:......

اس کے بعد میں نے اس حدیث کو امام بیہقی کی کتاب ''حياة الأنبياء عليهم السلام بعد وفاتهم'' میں ان الفاظ میں مروی پایا۔

---

[1] اس حدیث کو امام ترمذی نے ''جامع الترمذی'' کے كتاب صفة القيامة والرقاق الخ ،باب (۲۳) (رقم الحديث :۲۴۵۷) میں روایت کیا اور ولی الدین تبریزی نے ''مشكاة المصابيح'' کے كتاب الصلاة ، باب الصلاة على النبي ﷺ و فضلها ،الفصل الثالث (رقم الحديث:۹۲۹) میں نقل کیا ہے۔

حدیث(۲۷)...... "وَقَدۡ رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوۡحِيۡ".[1] (اوراللہتعالیٰ نے میری روح کو مجھ پرلوٹادیاہوتاہے)

یعنی امام بیہقی نے اس روایت میں لفظ''قَد'' صراحۃً ذکرکردیاہےتواس پرمیں نے اللہ تعالیٰ کی بہت حمد کی (یعنی شکرکیا)اور یہ بات نہایت پختہ اور مستحکم ہوگئی کہ جن روایات میں لفظ''قَد''مذکورنہیں ہوا۔وہاں محذوف ہےیاراویوں کےتصرف سے یہ لفظ چھوٹ گیاہے۔

یہی وہ امر ہے جسے میں نے ان جوابات میں سے دوسری توجیہہ میں پسند کیاتھا۔ اوراب تواس روایت کی وجہ سے تمام توجیہات پرصرف اسی توجیہہ اور جواب کوراجح قرار دیتا ہوں۔لہٰذا یہی جواب سب سے زیادہ قوی ہے اوراس بناء پرحدیث کی مراد یہ ہے کہ وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پرآپ کی روحِ مبارک کو ہمیشہ کے لئے لوٹادیاہے لہٰذا آپ علی الدوام حیات (یعنی ہمیشہ) ہیں یہاں تک کہ اگرکوئی شخص آپ پرسلام بھیجےتوچونکہ آپ زندہ ہیں اس لئے آپ اس کےسلام کاجواب دیتے ہیں۔[2]

اس تقدیر پر یہ حدیث ان احادیث کے مطابق ہوگئی بلکہ اُن ہی حدیثوں میں سے ایک حدیث قرار پاگئی جوقبرِ انور میں حضور ﷺ کی حیات کے ثبوت میں وارد ہیں اور کسی وجہ سے بھی یہ حدیث ان احادیث کے منافی نہ رہی جوحضور ﷺ کی حیات کوثابت کرنے والی

---

[1] حیاۃ الأنبیاء علیهم السلام بعد وفاتهم ،ص۵۵،(برقم:۱۶)(مطبوعة:دارلنفائس ،أردن)وشفاء السقام للسبکی ، الباب التاسع ، الفصل الأول (ص۱۸۲، مطبوعة:نوریة رضویة ،لاهور)

[2] بیہقی نے''حیاۃ الأنبیاء علیهم السلام بعد وفاتهم ''میں لکھاہے جسے امام تقی الدین سبکی نے''شفاء السقام''کے باب ثانی کے آخر میں امام بیہقی کے حوالے سے نقل کیاچنانچہ لکھتے ہیں اس کامطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد دوبارہ آپ ﷺ کے جسم اطہر میں روح لوٹادی گئی ہے تاکہ آپ ﷺ سلام کرنے والوں کوجواب ارشادفرمائیں اب وہ روح مستقلاً آپ ﷺ کے جسد اطہر میں ہے اسی طرح بیہقی کے حوالے سے علامہ سخاوی نے''القول البدیع'' باب رابع کےفوائد میں پانچویں فائدے کے آخر میں نقل کیاہے۔

ہیں اوراللہ ہی کے لئے حمد ہےاسی کے لئے منّت واحسان ہے۔

بعض حفاظِ حدیث نے کہا کہ اگرہم ایک حدیث کوساٹھ طریقوں (سندوں) سے نہ لکھیں توصحیح طور پرہم اسے سمجھ ہی نہ سکیں۔کیونکہ مختلف طُرُق میں ایک دوسرے کی روایت پرکچھ نہ کچھ زیادتی پائی جاتی ہےکبھی الفاظ متن میں اورکبھی اسناد میں۔اس طرح جوامور ناقص طریق سے واضح نہیں ہوتے وہ اس طریق سے واضح ہوجاتے ہیں جن میں زیادتی پائی جاتی ہے۔

واللہ تعالیٰ أعلم.

الحمدللہ یہ ترجمہ یکم صفر ۱۳۷۸ھ حامدآباد کی جامع مسجد میں ختم ہوا

رقمہ قلم الفقیر الاویسی غفرلہٗ،

وَصَلّٰی اللّٰہ عَلٰی حَبِیۡبِهٖ وَعَلٰی آلِهٖ وَأَصۡحَابِهٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمۡ أَجۡمَعِیۡن.

☆☆☆☆☆

فوائداویسی غفرلہٗ

اہلسنّت کاطُرۂ امتیاز ہے کہ بجائے اپنے اجتہاد کے اسلاف صالحین کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں اس مسئلہ میں بھی اسلاف کی رائے ملاحظہ ہو۔

حضرت علامہ اسمٰعیل حقی رضی اللہ عنہ نے ''روح البیان ''میں فرمایا کہ حضور ﷺ کے دونور تھے۔

۱)......نورِنبوت　　　　۲)......نورِولایت

جب وہ اس عالم سے عالم برزخ کی طرف منتقل ہوئے تو نورِنبوت آپ کی شریعتِ مطہرہ میں منتقل ہوا۔ بفضلہ تعالیٰ آپ کی شریعت پائندہ ہے اورآپ بحمدہٖ تعالیٰ ہمارے ہاں تاحال زندہ ہیں آپ پرموت وارد ہوئی لیکن پھرتا قیامت زندہ ہیں۔(انتہی)

جیسے امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ؎

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے　　　　مگر ایسی کہ فقط آنی ہے

عقیدہ توضیح:......

حیات الانبیاء کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام انبیاءعیہم السلام اجسادِ طاہرہ کے ساتھ زندہ بحیاتِ حسیہ ہیں اس کے دلائل فقیر کی کتاب ''حیاۃ الأنبیاء ''میں ہیں یہاں حدیث ''رَدَّا للّٰہُ عَلَیَ رُوْحِیْ '' سے بعض لوگ شبہ کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ میری توجہ دُرود شریف پڑھنے والے کی طرف متوجہ کرائی جاتی ہے کیونکہ حدیث میں ''رَدَّاللّٰہُ عَلَیَّ رُوحِیْ'' حال واقع ہورہا ہے۔ معلوم ہوا کہ باقی روایات میں ''قَدْ ''مقدر ہے۔ علامہ خفاجی نے تو ''شرح شفاء ''میں سہیلی نے نقل کیا ہے کہ ''اِلَّا '' کے بعد ''قَدْ ''مقدر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ماضی ''اِلّا '' کے بعد ''قَد '' کے بغیر بھی حال واقع ہوسکتا ہے۔ اب حدیث شریف کا معنیٰ یہ ہوگا کہ کوئی بندہ مجھ پر دُرود نہیں بھیجتا مگر اس حالت میں کہ اللہ تعالیٰ نے میری روح کولوٹا دیا

ہوتا ہے تو میں سلام کا جواب دیتا ہوں ''رَدِّ رُوْح '' کی حالت کا استثناء اس لیے کیا گیا ہے کہ روح کالوٹانا موقوف علیہ ہے سلام کے جواب کے لیے اورموقوف علیہ موقوف پر مقدّم ہوتا ہے اورروح کے لوٹانے کے بعد دائمی حیات ہوگی نہ کہ روح پھر سلب کرلی جائے گی۔

دوسرے جوابات معنیٰ سے تعلق رکھتے ہیں جو علمائے حقّہ نے متعدد وجوہ سے بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً

۱)......علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''رَدِّ روح'' کا معنیٰ خاص توجہ اورروحانی التفات ہے جو دربارِ نبوی سے عالمِ دنیا اورعالمِ اجساد کی طرف حاصل ہوتی ہے حتیٰ کہ آپ سلام کا جواب ارشاد فرماتے ہیں یہ توجہ عام اورشامل ہے حتیٰ کہ اگر سلام بھیجنے والے ایک ہی لحہ میں لاکھوں سے بھی زیادہ ہوں تو ان کے لیے کافی ہے۔ میں نے وہ کچھ دیکھا ہے کہ جسے میں بیان نہیں کرسکتا، بعض حضرات سے جب پوچھا گیا کہ سلام بھیجنے والے تو مشرق ومغرب میں ہوتے ہیں تو نبی ﷺ ان سب کو کس طرح جواب دیتے ہیں تو انہوں نے کیا خوب جواب دیا انہوں نے جواب میں ابو الطیب متنبی کا شعر پڑھ دیا۔

كَالشَّمْسِ فِيْ وَسْطِ السَّمَآءِ وَنُوْرُهَا
يَغْشِى الْبِلَادَ وَمَشَارِقاً وَّمَغَارِباً

گوکہ سورج آسمانوں میں ہے اس کی روشنی
مشرق ومغرب تک شامل ہے سب کو بالیقین

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا حال شریف عالمِ برزخ میں فرشتوں کے حال سے اعلیٰ اوراکمل ہے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام آنِ واحد میں لاکھوں کی رُوحیں قبض کرتے ہیں۔ انہیں اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت وتسبیح وتہلیل میں مصروف رہتے ہیں۔ ہمارے نبی ﷺ زندہ ہیں، نماز ادا کرتے ہیں، اپنے

رب کی عبادت کرتے ہیں۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے قُرب خاص میں رہتے ہیں اور اس کے کلام سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔[1]

۲)......ملاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح توجیہ فرمائی ہے: کہ

اللہ تعالیٰ آپ کی رُوحِ انور کو استغراق سے لوٹا دیتا ہے تا کہ آپ سلام بھیجنے والے کا جواب دیں، معتمد عقیدہ یہ ہے کہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام کی طرح اپنی قبر میں زندہ ہیں انبیائے کرام علیہم السلام کی رُوحوں کا تعلق عالمِ بالا سے بھی ہوتا ہے اور عالمِ دنیا سے بھی، جیسے کہ دنیاوی حالت میں تھے۔ انبیاء کرام علیہم السلام دلی طور پر عرشی اور جسمانی طور پر فرشی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اربابِ کمال کے حالات کو بہتر جانتا ہے۔ علامہ انطا کی فرماتے ہیں کہ'' رَدِّ روح'' کا معنیٰ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اطلاع دے دیتا ہے کہ فلاں شخص آپ کو سلام بھیج رہا ہے یا یہ کہ ''رَدِّ رُوح'' سلام بھیجنے والے کے حالات کو مخلوق میں جان لینے سے عبارت ہے۔[2]

۳)......علاّمہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر''روح البیان''میں آیہ کریمہ

﴿وَاِذَا حُيِّيۡتُمۡ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡهَا﴾[3] الآیۃ (النسآء:۸۶/۴)

کے تحت فرماتے ہیں:

اربابِ حقیقت فرماتے ہیں کہ رُوح کا بدن کے ساتھ اس طرح تعلق ہوتا ہے کہ (بعض) قبر والے قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں حالانکہ

[1] مواهب اللدنية، المجلد (۳) المقصد العاشر، الفصل الثاني في زيارة قبره الشريف، مسجده المنيف، ص۴۱۳۔۴۱۴، مطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۶ھ ۱۹۹۶م

[2] شرح الشفاء، المجلد (۲) للقسم الثاني، الباب الرابع، فصل في تخصيصه عليه الصلوٰة والسلام بتبليغ الخ، ص ۱۴۳، مطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الاولىٰ ۱۴۲۱ھ ۲۰۰۱م

[3] ترجمہ: اور جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو۔ (کنز الایمان)

روح علّیّین میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہے۔ ان دونوں باتوں میں کچھ منافات نہیں کیونکہ ارواح اور بدنوں کے حالات الگ الگ ہوتے ہیں۔ غلطی اس لیے پیدا ہو جاتی ہے کہ غائب کو حاضر پر قیاس کر لیا جاتا ہے اور سمجھ لیا جاتا ہے کہ رُوح بھی بدن کی طرح ہے کہ جب بدن ایک مکان میں ہو تو دوسرے مکان میں نہیں ہوسکتا۔ بعض حضرات نے اس کی مثال سورج سے دی ہے کہ آسمان میں ہے اور اس کی شعاعیں زمین پر ہوتی ہیں۔

جیسے کہ روح محمدی ﷺ کی طرف سے ہمیشہ اس شخص کو جواب ملتا ہے جو آپ کی قبرِ انور کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے حالانکہ آپ کی روحِ انور یقیناً اعلیٰ علّیّین میں ہے اور آپ اپنی قبر انور میں تشریف فرما ہیں جیسے کہ آپ فرماتے ہیں کہ جو مسلمان بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے میری روح کو لوٹا دیا ہوتا ہے۔ اس لیے میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اعتراض:......اس حدیث سے لازم آتا ہے کہ آپ کو بار بار زندگی دی جائے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

جواب:......اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ نبی ﷺ برزخ میں زندہ ہیں کیونکہ یہ عادۃً محال ہے کہ کائنات میں دن رات میں کسی وقت کوئی بھی نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجنے والا نہ ہو۔ لہٰذا ''رَدَّ اللّٰهُ عَلَىَّ رُوۡحِىۡ'' کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ برزخ میں حسی حیات کا شعور، بولنے اور سننے کی قوت باقی رکھتا ہے لہٰذا حس اور شعور کلی روحِ محمدی ﷺ سے جُدا نہیں ہوتے آپ حس اور کائنات سے غائب نہیں ہوتے کیونکہ آپ کائنات کی روح اور سرّ ہیں۔

التحیات سے ثبوت

التحیات میں یہ اَلسَّلَامُ عَلَيۡكَ اَيُّهَا النَّبِىُّ کہنا بھی حضور ﷺ کی حیات کی دلیل ہے کیونکہ ایسا سلام زندہ کو کیا جاتا ہے نہ کہ مردہ کو اور فقہاء و محدثین نے فرمایا یہ سلام مبنی بر انشاء ہے نہ کہ مبنی بر حکایت۔[1] اسی لئے محدثین اور فقہا علماء نے فرمایا کہ'' العلیم'' یہاں پر بمعنی

[1] جیسا کہ [illegible] کی مشہور کتاب ''الدر المختار'' (کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ) میں ہے۔

آفرین کرنا نیز بمعنیٰ پاک کرنا، سپرد کرنا اور عاجزی کرنا اور سلامتی دینا بھی آیا ہے۔

نکتہ:......

''الفتوحات المکیۃ'' میں ہے کہ السّلام کے لئے اہل ایمان کو اس لیے حکم ہے کہ انبیاء علیہم السّلام ایسے مقام پر فائز ہوتے ہیں کہ جہاں ان پر اعتراض کرنا فطری امر ہے کیونکہ وہ ایسے امور کا حکم فرماتے ہیں جو لوگوں کی خواہشات کے مخالف ہوتا ہے بنا بریں مومن عرض کرتا ہے: یارسول اللہ ﷺ! آپ کو میری طرف سے اطمینان ہو کہ میں آپ کا غلام ہوں آپ پر ہرگز اعتراض نہیں کروں گا۔ ایسے ہی نیک بندوں پر سلام کرنے کا یہی مطلب ہے کہ وہ حضرات ورَاثتِ نبی علیہ السلام بندگانِ خدا کو نفسانی خواہشات سے روکتے ہیں انہیں اپنے سلام عرض کرنے سے تسلی دی جاتی ہے کہ ہم آپ حضرات کے نیاز مند ہیں ہماری طرف سے آپ پر اعتراضات نہیں ہوں گے۔ ایسے ہی اپنے اوپر سلام کا مطلب یہ ہے کہ ہم اغلاط اور جرائم و معاصی کے ارتکاب میں مشہور ہیں اسی لیے لازم ہوا کہ ہم اپنے لیے سلامتی کی دُعا مانگیں اور ایک دوسرے کو اعتراض کا نشانہ نہ بنائیں۔

حضور علیہ السلام کی تشھد:......

اس کے متعلق کوئی روایت نہیں ملتی جس میں تصریح ہو کہ حضور سرور عالم ﷺ تشہد میں کیا پڑھتے تھے، کیا ہماری طرح ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ '' پڑھتے یا ''اَلسَّلَامُ عَلَيَّ '' یا کچھ نہ پڑھتے اور صرف ''اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلىٰ عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ '' پر اکتفا فرماتے۔ اگر آپ ہماری طرح ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ '' پڑھتے تو اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں:

۱)......آپ پر حق تعالیٰ سلام کہتا آپ اس کی ترجمانی فرماتے۔ جیسے ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ '' میں حق تعالیٰ کی ترجمانی کرتے ہیں۔

۲)......آپ ملائکہ کے قائم مقام ہو کر ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ '' کہتے یعنی اس حیثیت سے آپ ایک اجنبی کی طرح ہوتے ہیں اپنے آپ کو شخص دیگر تصوّر کر کے ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ '' کہتے۔

اہل قبور کو السلام علیکم کہنے سے ثبوت

تمام اہل اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ قبور پر جا کر ''السلام علیکم '' کہنا چاہئے۔ اگر وہ بالکل مٹ گئے ہوتے تو شرعاً سلام کا حکم کیوں؟ اور ہمارا عقیدہ ہے مومن نہیں مرتا، صرف اتنا ہوتا ہے کہ روح جسم سے جُدا ہوتی ہے اور نبی علیہ السلام کا بدن شریف گلنے سڑنے اور ٹکڑے ہونے سے پاک ہے آپ عالمِ برزخ میں زندہ ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

حدیث:......"إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ مِنْ أُمَّتِيَ السَّلَامَ".[۱]

یعنی، بے شک اللہ تعالیٰ کے سیاح فرشتے ہیں جو میری امت کا سلام میرے ہاں پہنچاتے ہیں۔

اور حدیث شریف:

"مَامِنْ مُسْلِمٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ".[۲]

یعنی، کوئی مسلمان مجھ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے میری رُوح کو جسم میں لوٹا دیا

---

[۱] اس حدیث کو امام نسائی نے اپنی ''سنن'' کے کتاب السھو، باب التسلیم علی النبی ﷺ (رقم الحدیث: ۱۲۸۲) میں، دارمی نے اپنی ''سنن'' کے کتاب الرقاق، باب فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ (رقم الحدیث: ۲۷۷۴) میں، احمد نے ''المسند'' (۱/۴۵۲) میں روایت کیا ہے اور ولی الدین تبریزی نے ''مشکاۃ المصابیح'' کے کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی النبی ﷺ و فضلھا، الفصل الثانی (رقم الحدیث: ۹۲۴) میں نقل کیا ہے۔

[۲] اس حدیث کی تخریج کے لئے حدیث (۱۹) کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

ہوتا ہے تو میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

فائدہ:......اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ حیات برزخی دنیوی سے دائمی طور زندہ ہیں اس لیے کہ عالمِ دُنیا میں کوئی وقت خالی نہیں جس میں کوئی دُرود وسلام نہ پڑھ رہا ہو اور آپ اس کے سلام کا جواب نہ دیں۔

ازالۂ وہم:......رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِي الخ کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اندر برزخ میں خیالی حسی شعور اور سمع ونُطق، اِدراک وحواس باقی رکھتا ہے حس وشعور کلی روح محمدی ﷺ سے جدا نہیں ہوتا آپ کے حواس سے ادراک کو غیبوبت نہیں ہے اس لیے آپ جملہ عالم کی روح اور آپ کی توجہ ذرّہ کائنات میں جاری وساری ہے۔

فائدہ:......رُوح کو جسم کے ساتھ اتصال ہے اسی لیے ہر انسان مرنے کے بعد عالمِ برزخ میں سنتا سمجھتا اور سلام کا جواب دیتا ہے۔ حضور سرورِ عالم ﷺ رفیق اعلیٰ میں ہیں اور آپ کی روح اقدس بدن مبارک کے ساتھ متصل ہے اس لیے جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو آپ اپنے مقام پہ رہنے کے باوجود ہر سلام عرض کرنے والے کو سلام کا جواب دیتے ہیں۔

شبِ معراج

لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے وہ غائب کا شاہد (حاضر) پر قیاس کر کے کہتے ہیں کہ جیسے جسم ایک جگہ پر ہو تو دوسری جگہ نہیں ہو سکتا ایسے ہی روح کا حال ہوگا حالانکہ یہ غلط ہے اس لیے کہ روح کی پرواز کا طور طریقہ اور ہے اور جسم کا حکم اور۔ مثلاً حضور نبی اکرم ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو شبِ معراج دیکھا کہ وہ قبر انور میں نماز پڑھ رہے تھے حالانکہ آپ اس وقت رفیق اعلیٰ میں تھے اور ان دونوں معاملات میں منافات بھی کوئی نہیں اس لیے کہ ارواح وابدان علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں اسی لیے ان کے احکام بھی علیحدہ علیحدہ ہیں اگر رُوح کی لطافت حق

نہ ہوتی تو اولیاء کرام رحمہم اللہ دیواروں سے باہر نہ نکل جاتے اور نہ ہی قبر میں میت کھڑے ہو کر نماز پڑھتی۔ مردہ کو ہزاروں ٹن مٹی اور تابوت وغیرہ حائل نہیں ہوتا وہ قبر میں ہر شے دیکھتا، سنتا، جانتا ہے۔

ایک عجوبہ

قیامت میں ایک وقت میں بندہ آٹھوں بہشتوں کے آٹھوں دروازوں میں داخل ہو سکے گا وہ صرف اس لیے کہ وہاں اسکی روحانیت کو غلبہ ہوگا حالانکہ اسے اس عالم میں اتنی قوت وطاقت حاصل نہیں تھی اور نہ ہی اتنی بڑی پرواز اسے ممکن تھی۔

سورج کی مثال

دیکھیے سُورج یہاں سے کتنی دور ہے (چوتھے آسمان میں ہونے کے باوجود) ارواح کی طرح تیز پرواز رکھتا ہے کہ زمین کے چپّہ چپّہ میں اس کی شعاعیں موجود ہیں۔

مردہ قبر سے باہر والوں کو جانتا پہچانتا ہے

حدیث شریف میں ہے۔

"مَامِنْ عَبْدٍيَمُرُّبِقَبْرِ رَجُلٍ كَانَ يَعْرِفُهُ فِي الدُّنْيَا فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِلَّاعَرَفَهُ وَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ".[1]

یعنی، قبر پر جب کوئی گزرتا ہے تو اہل قبر اُسے پہچانتا ہے اور اسے سلام کا جواب دیتا ہے۔

فائدہ:......اس سے ان کا زبان حال کا جواب مراد ہے۔ قولی جواب اس لیے مراد نہیں کہ دنیا میں ان کے اعمال کا انقطاع ہو گیا بلکہ وہ اس انقطاع سے نہ صرف افسوس کرتے بلکہ

[1] اس حدیث کو متقی ہندی نے "کنز العمال" (برقم:۴۲۰۰۶) میں اور ابن عساکر نے "تھذیب تاریخ دمشق" (۲۸۹/۳، ۲۴۹/۱) میں ذکر کیا ہے۔

انہیں بہت بڑی سخت حسرت ہوتی ہے کاش انہیں وہی وقت نصیب ہوتا کہ جس سے وہ سلام کا جواب دے کر ثواب پاتے۔

بہرحال انبیاء علیہم السلام بالخصوص ہمارے نبی ﷺ حقیقی طور پر زندہ ہیں۔ برزخ میں ہونے کی وجہ سے برزخی زندگی بھی کہا جاتا ہے اس مسئلہ کی تحقیق جس قدر زیادہ ہوا اُسی قدر نبی کریم ﷺ کے فیوض حاصل کرنے میں تقویت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ ہمیں قُربِ نبوی ﷺ نصیب فرمائے۔ (آمین)

هذا آخر رقم قلم

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

بہاولپور پاکستان۔ ۲۳ صفر ۱۳۸۳ھ

❁❁❁❁❁

فہرست آیات

فہرست ترجمہ آیات

فہرست احادیثِ وآثارصحابہ وتابعین

إِنْبَاءُ الْأَذْكِيَاءِ ـــــ بِحَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ

فہارس احادیث وآثار صحابہ وتابعین

إنباء الأذكياء بحياة الأنبياء

للإمام جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر
السيوطي الشافعي (المتوفى ٩١١هـ)

حققه

أبو الضياء محمد فرحان القادري الرضوي العطاري

دار إحياء العلوم
للخدمات العلمية

بزم أويسيه رضويه
لاهتمام الطباعة

جمعية إشاعة أهل السنة
للنشر بلا سعر والتوزيع

مقدمة الكتاب

الحمد لله القائل في كتابه: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾. والصلوة والسلام على سيدنا ومولانا محمد خير الرسل والأنبياء وعلى آله وصحبه الأبرياء الأتقياء وعلى كلّ من دافع من حريم الرسل والأولياء، وأثبت عقيدة الفرقة الناجية أهل السنة والجماعة بالمحجمة البيضاء، صلاةً وسلاماً يكونان لنا في أهوال المحشر نعم الأمل والرجاء.

أما بعد! فإن الاعتقاد المنجى في الآخرة هو اعتقاد السلف الصالح من أهل السنة والجماعة وهو الاعتقاد الذي عليه السواد الأعظم من المسلمين من زمن النبي الأكرم ﷺ إلى يوم القيامة كما أخرج الولي التبريزي في ''مشكاته'' عن معاوية رضي الله عنه قال: سمعتُ النبي ﷺ يقول: ((لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ عَلَى ذٰلِكَ)). متفق عليه.[1]

---

(١) **مشكاة المصابيح**، كتاب المناقب، باب ثواب هذه الأمة. وأخرجه **الإمام أحمد** في مسنده (١٠١/٤). **والبخاري** في المناقب (٢٥٢/٤).

وهذه الطائفة هي المنصورة والشاذة الفاذة منها هي الهالكة المبثورة يوم القيامة كما أمر بالالتزام بها السيد الصادق الرسول الأمين صلى الله عليه وآله وصحبه وسلم حيث قال: «اتَّبِعُوا السَّوَادَ الأَعْظَمَ، فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ». أخرجه الإمام البغوي في ''مصابيح السنة''.[1] وأخرجه ابن ماجه من حديث أنس: «إِنَّ أُمَّتِيْ لَا تَجْتَمِعُ عَلَى ضَلَالَةٍ، فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلَافاً فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الأَعْظَمِ».[2]

ومن اعتقادات هذه الطائفة المنصورة توحيد الله تعالى في الأسماء والصفات والأفعال المختصّة به تعالى واعتقاد أنه تعالى ليس بجسم ولا منقسم ولا متحيّز ولا متغيّر ولا يشبه بشيء من خلقه كما لا يشبه شيء من خلقه، منـــزّه من حلول الحوادث فيه وإحاطة المكان به ومرور الزمان عليه وله صفاة ثبوتية محكمات نؤمن بها ونشرحها بمعانيها الحقيقة

وفي كتاب التوحيد والرد على الجهيمية (٩/١٦٧). والإمام البغوي في ''**مصابيح السنة**'' (٤/١٣٦٠).

(١) برقم:١٢٨.

(٢) أخرجه ابن ماجه برقم:٣٩٥.

وصفات ثبوتية ثابتة له متشابهات غير جزء منه تعالى فنؤمن بها ونقرئها من غير تصوّر الجزئيّة والجسمية ولا نشبّه ولا نعطّل ولا نؤوّل تأويلاً لا يحتمله اللفظ ولا يثبته الكتاب والسنّة واستعمال اللغة العربية.

ومنها: تصديق الرسل بجميع ما جاءوا به من عند الله تصديقاً إجمالياً فيما علم من الدين بالضرورة إجمالاً، وتفصيلاً فيما علم تفصيلاً، وأن نثبت للرسل ما أعطاهم الله من الصفاة والخصائص. ومنها: الحياة الضريحية البرزخيّة لهم أقوى وأعلى من حياة الشهداء والأولياء في قبورهم، وقد دلت نصوص الشرع بهذه العقيدة السلفية الصحيحة جمعها الأئمة المتقدمون، منهم: الإمام البيهقي الخراساني، والإمام الجلال السيوطي متع الله الأمة الإسلامية بكتبهما. وقد أثبت هذا الاعتقاد بأدلة شرعية وحجج قويّة بحيث لا تترك مجال الشكوك كما لا يستطيع الأوهام أن تحوم حوله والإمام السيوطي رحمه الله من الأئمة المدافعين عن هذا الاعتقاد السالم وقد قام بالذب عن معتقد السلف وآرائهم السديدة بكثير من كتبه ومما كتب في هذا الصدد، هي فيما يلي!

(١)حُسن المقصد في عمل المَولد (٢)تنـــزيه الأنبياء عن تسفية الأغبياء (٣) الحبل الوثيق في نصرة الصِّدِيق (٤)القول الفصيح في تعيين الذبيح (٥)المصابيح في صلاة التراويح (٦)القول الجلي في حديث الولي (٧)قطف الثمر في موافقات عمر (٨)نتيجة الفكر في الجهر بالذكر (٩)الدر المنظّم في الاسم الأعظم (١٠)المِنحة في السبحة (١١)العُجالة الزرنبيّة في السُّلالة الزينبية (١٢)الدر التاجية على الأسئلة الناجية (١٣)العَرف الوردي في أخبار المَهدي (١٤)الكشف عن مجاوزة هذه الأمة الألف (وهذا الموضوع تكفّل بالبحث عنه العلامة القندهاري ثم الهندي الشيخ أحمد رضا الحنفي القادري النقشبندي رحمه الله في ''العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية'') (١٥)اتّحاف الفرقة برَفْوِ الخرقة (وهذا بحث علميّ ومناقشة أصولية حول سماع الحسن البصري من الإمام علي رضي الله عنهما تفيد أهل الطريقة وطالبي الحقيقة) (١٦)بلوغ المأمول في خدمة الرسول ﷺ (١٧) تزيين الاعتقاد عن الحلول والاتحاد (وقد ردّ بها مذهب الحشوية والحلوية والمجسمة) (١٨)إتمام النعمة في اختصاص الإسلام

بهذه الأمة (١٩)تزيين **الأرائك في** إرسال **النبي** ﷺ إلى الملائك (٢٠)كتاب الإعلام بحكم عيسى عليه السلام (٢١)تحفة الجلساء برؤية الله للنساء (٢٢)مسالك الحُنفاء في نجاة والدي **المصطفى** ﷺ (وقد قام **العلامة** الإمام أحمد رضا القادري **الحنفي** قدس سره بالبحث **العلمي** في كتابه ''شمول الإسلام لأصول الرسول الكرام عن هذا الموضوع كما أنه سدّا الفراغ العظيم في فتاواه المعروفة بـــ ''العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية'' في مقامات مختلفة) (٢٣)الخبر الدال على وجود القطب والأوتاد والنجباء والأبدال (للإمام السيد محمد أمين بابن عابدين الشامي رسالة تسمى ''إجابة الغوث بأحوال النقباء والنجباء والأوتاد والأقطاب والغوث'' مطبوعة في ''مجموعة الرسالة'' (٢٤)تنوير الحُلَك **في رؤية النبي** جِهاراً والمَلَك (فريد في تجسّد الأرواح وشهادة **النبي** ﷺ على أمته وقد رزقه الله هذه النعمة غير مرّة في حياته يقظةً كما وقع للإمام العارف بالله عبد الوهاب الشعراني رحمه الله حتى أنه قد قرأ صحيح البخاري من **النبي** ﷺ ثماني مرّات تحت شجرة بمصر كما ذكره الإمام أبو الفلاح عبد الحي بن عماد الحنبلي

في ترجمته في ''شذرات الذهب''. ومنها: **إنباء الأذكياء بحياة الأنبياء** وهو كتابه هذا شاهد على سعة اطلاعه في علم الحديث، كيف لا! وقد شدّ الرحال إلى هذا المقصد إلى البلاد الإسلامية من الشام، والحجاز، واليمن، والهند، والمغرب، والتكرور وقد حجّ وشرب ما زمزم ليصل في الحديث إلى درجة الحافظ شيخ الإسلام ابن حجر العسقلاني وفي الفقه إلى رتبة الشيخ سراج الدين البلقيني وقد رزقه الله التبحّر في العلوم الإسلامية والعربيّة عامةً والحديث الشريف خاصةً، وكان يخدم الأمة الإسلامية دائماً تدريساً وتأليفاً وإفتاءً، وقد ترك الإفتاء والتدريس في آخر عمره، وتكفّل للتأليفات، وتبتّل إلى عبادة ربّه إلى أن رحل إلى جنابه، سنة ٩١١ الهجرية في سحور ليلة الجمعة بالتاسع عشر من جمادى الأولى، وله من العمر إحدى وستون سنة، ودفن بحوش قوصون خارج باب القرافة بالقاهرة المحمية ومشهده عظيم، يزار ويتبرك به رحمه الله رحمةً واسعةً وأفاض علينا من روحانيته ومدده.

وقد قام بتحقيق الكتاب العربي الأخ الفاضل أبو الضياء محمد فرحان القادري حفظه الله وهو تلميذ الشيخ

العلامة المفتي محمد عطاء الله النعيمي النقشبندي، والشيخ العلامة محمد عثمان القادري البركاتي، والشيخ العلامة محمد أمان الله القادري الأختري وغيرهم من الأساتذة في مدرستنا التابعة لـــ **جَمْعِيَّة إِشَاعَةِ أَهْلِ السُّنَّة وَالْجَمَاعَةِ** بمسجد نور، كاغذي بازار، ميتادر بكراتشي، باكستان.

وكل الجهود الجبارة حول طباعة هذه الرسالة راجعة إلى مدير النهضة الأويسية الرضوية الأخ محمد يوسف القادري الرضوي الأويسي حفظه الله وجمعية إشاعة أهل السنة والجماعة بمسجد نور، كاغذي بازار، ميتادر بكراتشي باكستان التي لها دورها الفعال في بناء جيَل صالح من العلماء والحفّاظ والعُبّاد والدعاة إلى الله تعالى بأسلوب جيّد متحضر، والله ولي التوفيق ومنه القبول والتوثيق وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم.

٣ شوال المكرم ١٤٢٦هـ

أخوكم **مُحَمَّد ذَاكِرُ الله النَّقشبَندِيّ**

عضو لجنة تحقيق النصوص الشرعية والثقافة الإسلامية
بمسجد النور، كاغذي بازار، ميتادر، كراتشي، باكستان.

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله، وسلام على عباده الذين اصطفى، (أما بعد: فقد) وقع سؤال (يقول): قد اشتهر أن النبي -ﷺ- حي في قبره، وأورد أنه -ﷺ- قال: "ما من أحد يسلم عليّ إلا رد الله علي روحي حتى أرد عليه السلام"،(١) فظاهره مفارقة الروح (له) في بعض الأوقات، فكيف الجمع؟

وهو سؤال حسن يحتاج إلى النظر والتأمل

(١) أخرج **أبو داود** في سننه برقم:٢٠٤١، في كتاب (٥) المناسك، وباب (١٠٠) زيارة القبور (٢/٣٦٦). والبيهقي في **شعب الإيمان** برقم:٤١٦١، عن أبي هريرة في باب (٢٥) في المناسك، وفضل الحج والعمرة، (٣/٤٩٠). والهيثمي في **مجمع الزوائد** عن أبي هريرة (١٠/١٦٢). والجراحي في **كشف الخفاء** برقم:٢٢٤٧ (٢/٢٥٣). والأندلسي في **تحفة المحتاج** برقم:١١٥١ (٢/١٩٠). وابن حجر العسقلاني في **تلخيص الحبير** (٢/٢٦٧) والمقدسي في **المغني** (٣/٢٩٨). وأورده الزرقاني في شرحه على المؤطا (٤/٣٥٧). وابن حجر العسقلاني الشافعي في **فتح الباري** شرح صحيح البخاري (٦/٤٨٨).

فأقول: حياة النبي -ﷺ- في قبره هو وسائر الأنبياء معلومة عندنا علماً قطعياً، لما قام عندنا من الأدلة في ذلك وتواترت (به) الأخبار، وقد ألف البيهقي جزأً في حياة الأنبياء في قبورهم.

١- فمن الأخبار الدالة على ذلك ما أخرجه مسلم عن أنس، أن النبي -ﷺ- ليلة أسري به مر بموسى -عليه السلام- وهو يصلي(١) في قبره(١).

(١) قال الإمام جلال الدين **السيوطي**: (وهو قائم يصلي في قبره) قال الشيخ بدر الدين بن الصاحب في مؤلف له **حياة الأنبياء**: هذا صريح في إثبات الحياة لموسى [عليه السلام] في قبره فإنه وصفه بالصلاة وأنه قائم ومثل ذلك لا يوصف به الروح وإنما يوصف به الجسد وفي تخصيصه بالقبر دليل على هذا فإنه لو كان من أوصاف الروح لم يحتج لتخصيصه بالقبر وقال الشيخ تقي الدين السبكي في هذا الحديث الصلاة تستدعي جسداً حياً ولا يلزم من كونها حياة حقيقة أن تكون الأبدان معها كما كانت في الدنيا من الاحتياج إلى الطعام والشراب وغير ذلك من صفات الأجسام التي نشاهدها بل يكون لها حكم آخر. (تحت حديث سنن النسائي:١٦٣٠).

٢- وأخرج أبو نعيم في "الحلية" عن ابن عباس: أن النبي ﷺ مر بقبر موسى عليه السلام، وهو قائم يصلي فيه.[٢]

---

(١) رواه **مسلم** في صحيحه برقم:١٦٤-(٢٣٧٥) في كتاب (٤٣) الفضائل، وباب (٤٢) من فضائل موسى عليه السلام، عن أنس بن مالك، أن رسول الله ﷺ قال: «أتيت -وفي رواية هدّاب: مررت- على موسى ليلة أسري بي عند الكثيب الأحمر، **وهو قائم يصلي في قبره**». **وابن حبان** في صحيحه برقم:٤٩، **في** ذكر خبر أوهم عالما من الناس أنه إلخ، (٢٤١/١). **والبيهقي في سننه الكبرى** برقم:١٣٢٨ (٤١٩/١)، **والنسائي** في سننه المجتبى برقم:١٦٣١، في كتاب (٢٠) قيام الليل، وباب (١٥) ذكر صلاة نبي الله موسى عليه السلام إلخ، (٢٣٨/٢). **وعبد الرزاق في مصنفه** برقم:٦٧٢٧ (٥٧٧/٣). **وابن أبي شيبة** في مصنفه برقم:٣٦٥٧٥ (٣٣٥/٧). **والطبراني** في **الأوسط** برقم:٧٨٠٦ (١٣/٧). والطبراني أيضاً في **مسند الشاميين** برقم:٣٤١ (١٩٦/١). **وأحمد** في مسنده برقم:١٢٢٣١ (١٢٠/٣). **وأبو يعلى** في مسنده برقم:٣٣٢٥ (٧١/٦). وعبد بن حميد في مسنده برقم:١٢٠٥ (٣٦٢/١). وأبو نعيم في **حلية الأولياء** (٢٠٣/٦). والبغوي في **شرح السنة** برقم:٣٦٥٤. والسيوطي في **خصائص الكبرى** (٢٥٨/١).

(٢) قد سبق تخريجه آنفاً.

٣- وأخرج أبو يعلى في مسنده، والبيهقي في كتاب: "حياة الأنبياء" عن أنس أن النبي ﷺ قال: «الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون».[١]

٤- وأخرج أبو نعيم في "الحلية" عن يوسف بن **عطية قال**: سمعت ثابتاً البناني يقول لحميد الطويل: هل بلغك **أن أحداً يصلي في قبره إلا الأنبياء؟** قال: لا.[٢]

---

(١) ولفظ رواية البيهقي في "**حياة الأنبياء صلوات الله عليهم**": «الأنبياء في قبورهم أحياء يصلون» أخرجه في الكتاب المذكور برقم:٣. وأخرجه الهمداني في **الفردوس بمأثور الخطاب** برقم:٤٠٣ (١١٩/١). والذهبي في **ميزان الاعتدال في نقد الرجال** برقم:١٧٣٠ (٢٠٠/٢). والعسقلاني في **لسان الميزان** برقم:٧٨٧ في من اسمه حجاج (١٧٥/٢). وأورده (العسقلاني) في **فتح الباري** شرح صحيح البخاري تحت الحديث: ٢٣٥٧ (٤٨٦/٦). **والزرقاني** في شرحه على الموطا (٣٥٧/٤). والعلامة **السندي في حاشيته على سنن النسائي** تحت الحديث:١٣٧٣ في كتاب (١٤) الجمعة، وباب (٥) إكثار الصلاة على النبي ﷺ يوم الجمعة (١٠٢/٢).

(٢) أخرجه الأصبهاني في **حلية الأولياء** وتمام الحديث: أنه قال: هل بلغك يا أبا عبيد أن أحدا يصلي في قبره إلا الأنبياء؟ قال: لا. قال ثابت:

٥- وأخرج أبو داود والبيهقي عن أوس بن أوس الثقفي عن النبي ﷺ قال: «من أفضل أيامكم يوم الجمعة، فأكثروا علي الصلاة فيه، فإن صلاتكم تعرض علي»، قالوا: يا رسول الله! وكيف تعرض عليك صلاتنا وقد أرمت؟[1] يعني

اللهم إن أذنت لأحد أن يصلي في قبره فأذن لثابت أن يصلي في قبره. قال: وكان ثابت يصلي قائماً حتى يعي فإذا أعيى جلس فيصلي وهو جالس ويحتبي في قعوده ويقرأ، فإذا أراد أن يسجد وهو جالس فتح حبوته (٢/٣١٩) وأيضاً أخرجه ابن الجعد في مسنده برقم:١٣٨٠، أن ثابتاً البناني قال: اللهم إن كنت أذنت لأحد أن يصلي في قبره فأذن لي أن أصلي في قبري (١/٢٠٩).

(١) **قال السندي** في حاشيته على سنن ابن ماجة: أرمت: كضربت. أصله أرممت، بتشديد الميم. إذا صار رميماً، فحذفوا إحدى الميمين، كما في ظلت. ولفظه إما على الخطاب أو على الغيبة على أنه مستند إلى العظام. وقيل: من أرم بتخفيف الميم أي فنى. وكثيراً ما يروى بتشديد الميم والخطاب فقيل: هي لغة ناس من العرب. وقيل: بل خطأ، والصواب بسكون تاء التأنيث للعظام. أو أرمت بفك الإدغام. بليت: أي صرت بالياً عتيقاً.

بليت. فقال: «إن الله حرّم على الأرض أن تأكل أجسام الأنبياء».[1]

---

(١) أخرجه **أبو داود في سننه** برقم:١٠٤٧ في كتاب (٢) الصلاة، وباب (٢٠٧) **فضل يوم الجمعة** وليلة الجمعة (١/٤٤٣). **والبيهقي في سننه الكبرى برقم:٥٧٨٩ في** باب ما يؤمر به في ليلة الجمعة ويومها إلخ (٣/٢٤٨). **وابن خزيمة في صحيحه** برقم:١٧٣٣ في باب فضل **الصلاة على النبي ﷺ** يوم الجمعة (٣/١١٨). **وابن حبان في صحيحه (٣/١٩١)**. والحاكم في المستدرك على الصحيحين **برقم:١٠٢٩ (١/٤١٣). والهيثمي في موارد الظمآن** برقم:٥٥٠ في **باب ما جاء** في يوم الجمعة والصلاة على النبي ﷺ **فيه (١/١٤٦). والنسائي في سننه الكبرى** برقم:١٦٦٦ في باب الأمر بإكثار الصلاة على النبي ﷺ يوم الجمعة (١/٥١٩). و**(النسائي) في سننه المجتبى** برقم:١٣٧٣ في كتاب (١٤) **الجمعة، وباب (٥) إكثار الصلاة على** النبي ﷺ يوم الجمعة (٢/١٠٢). **وابن ماجة في سننه** برقم:١٠٨٥ في كتاب (٥) **إقامة الصلاة والسنة فيها**، وباب (٧٩) في فضل **الجمعة**، (١/١٧). **وابن أبي شيبة في مصنفه** برقم:٥٥١١ (١/٤٧٧). **وأحمد في مسنده برقم:١٦٢٦٢ في** مسند أوس بن أبي أوس (٥/٥٤٢). والبيهقي في **شعب الإيمان** برقم:٣٠٢٩ (٣/١١٠). والجراحي في **كشف الخفاء** (١/١٩٠).

٦- وأخرج البيهقي في ''شعب الإيمان''، والأصبهاني في ''الترغيب'' عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله ﷺ: ((من صلى عليّ عند قبري سمعته، ومن صلى عليّ نائياً بلّغته)).(١)

٧- وأخرج البخاري في تاريخه، عن عمار، سمعت النبي ﷺ يقول: ((إن لله تعالى ملكاً أعطاه أسماع الخلائق، قائم على قبري، فما من أحد يصلي علي صلاة إلا بلغتها)).(٢)

(١) أخرجه البيهقي في **شعب الإيمان** برقم:١٥٨٣ (٢/٢١٨). والعسقلاني في **فتح الباري** شرح صحيح البخاري تحت الحديث:٣٢٥٧ (٦/٤٨٨). والذهبي في **ميزان الاعتدال في نقد الرجال** برقم:٨١٦٠ (٦/٣٢٨). والعقيلي في **ضعفائه** برقم:١٦٩٦ (٤/١٣٦). وأورده السيوطي في **حاشيته على سنن النسائي** تحت الحديث:٢٠٧٠ في كتاب (٢١) الجنائز، وباب (١١٦) وضع الجريدة على القبر (٢/٤١٣).

(٢) أخرجه الهيثمي في **مجمع الزوائد** (١٠/١٦٢). وأبو بكر البزار في مسنده برقم:١٤٢٥ (٤/٢٥٥). والأصبهاني في **العظمة** (٢/٧٦٣). والمنذري في **الترغيب والترهيب** برقم:٢٥٧٤ (٢/٣٢٦). وأورده **السيوطي** في **حاشيته على سنن النسائي** تحت الحديث:٢٠٧٠ في

٨- وأخرج البيهقي في ''حياة الأنبياء''، والأصبهاني في ''الترغيب'' عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: ((من صلى علي مائة في يوم الجمعة وليلة الجمعة، قضى الله له مائة حاجة؛ سبعين من حوائج الآخرة، وثلاثين من حوائج الدنيا، ثم وكّل الله بذلك ملكاً يدخله علي في قبري كما يدخل عليكم الهدايا، إن علمي بعد موتي كعلمي في الحياة)).(١)

كتاب (٢١) الجنائز، وباب (١١٦) **وضع الجريدة على القبر** (٢/٤١٣).

(١) أخرجه البيهقي في **شعب الإيمان برقم:٣٠٣٥** (٣/١١١). وفي ''**حياة الأنبياء صلوات الله عليهم**'' برقم:١٣ بلفظ: عن أنس بن مالك خادم النبي ﷺ [قال: قال النبي ﷺ]: ((إن أقربكم مني يوم القيامة في كل موطن أكثرهم عليّ صلاة في الدنيا، من صلى عليّ [مائة مرة] في يوم الجمعة، وليلة الجمعة، قضى الله له مائة حاجة، سبعين من حوائج الآخرة، وثلاثين من حوائج الدنيا، [ثم] يوكل الله بذلك ملكاً يدخله في قبري، كما يدخل عليكم الهدايا، يخبرني من صلى عليّ باسمه ونسبه إلى عشيرته، فأثبته عندي في صحيفة بيضاء)). والذهبي في **سير أعلام النبلاء** (٦/٣٦١).

ولفظ البيهقي: «يخبرني من صلى عليّ باسمه ونسبه، فأثبته عندي في صحيفة بيضاء».[1]

٩- وأخرج البيهقي عن أنس عن النبي ﷺ، قال: «إن الأنبياء لا يتركون في قبورهم بعد أربعين ليلة، ولكنهم يصلون بين يدي الله، حتى ينفخ في الصور».[2]

١٠- وروى سفيان الثوري في "الجامع" قال: قال شيخ لنا، عن سعيد بن المسيب قال: ما مكث نبي في قبره أكثر من أربعين حتى يرفع.[3]

---

(١) قد سبق تخرجه آنفاً.

(٢) أخرجه البيهقي في "**حياة الأنبياء صلوات الله عليهم**" برقم:٤. والديلمي في **الفردوس بمأثور الخطاب** برقم:٤٠٨٠ (٣/٣٥). والعسقلاني في **تلخيص الحبير** (٢/١٢٦). وفي **فتح الباري** تحت الحديث:٣٢٥٧ (٦/٤٨٧). و**الزرقاني** في شرحه على المؤطا (٤/٣٥٧). والأنصاري في **خلاصة البدر المنير** برقم:٩٣٢ (١/٢٦٧).

(٣) أخرجه **الإمام عبد الرزاق** في مصنفه برقم:٦٧٥٤ في كتاب الجنائز، وباب (٧٦) السلام على قبر النبي ﷺ، بلفظ: «ما مكث نبي في

قال البيهقي: فعلى هذا يصيرون كسائر الأحياء يكونون حيث ينزلهم الله، ثم قال البيهقي: ولحياة الأنبياء بعد موتهم شواهد، فذكر قصة الإسراء في لقيه جماعة من الأنبياء، وكلمهم وكلموه. وأخرج حديث أبي هريرة في الإسراء، وفيه: «وقد رأيتني في جماعة من الأنبياء، فإذا موسى قائم يصلي، فإذا رجل ضرب جعد، كأنه من رجال شنوءة، وإذا عيسى ابن مريم قائم يصلي، وإذا إبراهيم قائم يصلي، أشبه الناس به صاحبكم –يعني نفسه– فحانت الصلاة فأممهم».[1]

الأرض أكثر من أربعين». و**البيهقي في "حياة الأنبياء صلوات الله عليهم"** برقم:٥.

(١) أخرجه **مسلم في صحيحه برقم**:٢٧٨-(١٧٢) في كتاب (١) **الإيمان**، وباب (٧٥) **ذكر المسيح** ابن مريم والمسيح الدجال (ص٨٤). **وأبو عوانة** في مسنده برقم:٣٥٠ (١/١١٧). و**النسائي في سننه الكبرى** برقم:١١٤٨٠ (٦/٤٥٥). والعسقلاني في **فتح الباري** تحت الحديث:٣٢٥٧ (٦/٤٨٧). والزهري في **الطبقات الكبرى** (٢١٥).

وأخرج حديث: «أن الناس يصعقون، فأكون أول من يفيق».[1] وقال: هذا إنما يصلح على أن الله رد على الأنبياء أرواحهم، وهم أحياء عند ربهم كالشهداء،[2] فإذا نفخ في الصور النفخة الأولى صعقوا فيمن صعق، ثم لا يكون ذلك موتاً في جميع معانيه إلا في ذهاب الاستشعار. انتهى.

---

(١) أخرجه **البخاري** في صحيحه برقم:٦٥١٧ في كتاب (٨١) الرقاق، وباب (٤٣) نفخ الصور (٤/٢١٣). **ومسلم** في صحيحه برقم:١٦٠-(٢٣٧٣) في كتاب (٤٣) **الفضائل**، وباب (٤٢) من فضائل موسى عليه السلام (ص٩٢٧). **وأبو داود** في سننه برقم:٤٦٧١ في كتاب (٣٤) السنة، وباب (١٤) في التخيير بين الأنبياء عليهم الصلاة والسلام (٣٧/٥). **والنسائي في سننه الكبرى** برقم:٧٧٥٨ (٤١٨/٤). والطحاوي في **شرح معاني الآثار** في باب التخيير بين الأنبياء عليهم السلام. **وأحمد** في مسنده برقم:٧٥٧٦ (٢٦٤/٢). والديلمي في **الفردوس بمأثور الخطاب** برقم:٧٣١٩ (١٩/٥).

(٢) لأن الله تعالى قال في حق الشهداء: ﴿**لَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ**﴾ الآية [البقرة:٢/١٥٤].

١١- وأخرج **أبو يعلى** عن أبي هريرة سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم- يقول: «**والذي** نفسي بيده لينـــزلن عيسى ابن مريم، ثم لئن قام على **قبري** فقال: يا محمد، لأجيبنه».[1]

١٢- وأخرج **أبو نعيم** في "دلائل النبوة" عن سعيد ابن المسيب، قال: **لقد** رأيتني ليالي الحرة، وما في مسجد رسول الله -صلى الله عليه وسلم- غيري، وما يأتي وقت صلاة إلا سمعت الأذان من القبر.[2]

١٣- وأخرج **الزبير** بن بكار في "أخبار المدينة" عن سعيد بن المسيب، **قال**: **لم** أزل أسمع الأذان **والإقامة** في قبر رسول الله -صلى الله عليه وسلم- **أيام الحرة** حتى عاد الناس.

وأخرج ابن **سعد** في "الطبقات" عن سعيد بن المسيب أنه كان يلازم المسجد **أيام** الحرة، والناس يقتتلون. قال:

---

(١) أخرجه **أبو يعلى في** مسنده برقم:٦٥٨٤ (٤٦٢/١١). والهيثمي في **مجمع الزوائد** (٢١١/٨).

(٢) أخرجه أبو نعيم في **دلائل النبوة** برقم:٥١٠. وابن سعد في **الطبقات الكبرى** (١٣٢/٥). وهبة الله بن الحسن الطبري اللالكائي في **كرامات الأولياء** (١٦٦/١).

فكنت إذا حانت الصلاة، أسمع **أذاناً** يخرج من قبل القبر الشريف.[1]

وأخرج الدارمي في **مسنده قال**: أنبأنا مروان بن محمد، عن سعيد بن عبد العزيز، **قال**: لما كان أيام الحرة لم يؤذن في مسجد النبي -ﷺ- ثلاثاً، ولم يقم، ولم يبرح سعيد بن المسيب المسجد، وكان لا يعرف وقت الصلاة إلا بهمهمة يسمعها من قبر النبي ﷺ.[2]

فهذه الأخبار دالة على **حياة النبي** -ﷺ- وسائر الأنبياء، وقد قال تعالى في الشهداء: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾﴾ [آل عمران:١٦٩] والأنبياء أولى بذلك، فهم أجل وأعظم، وما

(١) أخرج ابن سعد الزهري في **الطبقات الكبرى** (١٣٢/٥). والذهبي في **سير أعلام النبلاء** (٢٢٩/٤).

(٢) أخرج **الدارمي** في مسنده/سننه برقم:**٩٣** في باب ما أكرم الله تعالى نبيه ﷺ بعد موته.

(من) نبي إلا. وقد جمع مع النبوة وصف الشهادة، فيدخلون في عموم لفظ الآية.

١٤- وأخرج أحمد وأبو يعلى والطبراني والحاكم في "المستدرك" والبيهقي في "دلائل النبوة" عن ابن مسعود، قال: لأن أحلف تسعاً أن رسول الله -ﷺ- قُتِلَ قتلاً أحب إليّ من أن أحلف واحدة أنه لم يقتل، وذلك أن الله اتخذه نبياً واتخذه شهيداً.[1]

١٥- وأخرج البخاري والبيهقي عن عائشة قالت: كان النبي -ﷺ- يقول في مرضه الذي توفي فيه: "لم أزل

(١) أخرجه الحاكم في **المستدرك على الصحيحين** برقم:٤٣٩٤ (٦٠/٣) وقال: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين. **والإمام عبد الرزاق** في مصنفه برقم:٩٥٧١ (٢٦٩/٥). و**أحمد** في مسنده برقم:٣٨٧٣ (٤٠٨/١). وأبو **يعلى** في مسنده برقم:٥٢٠٧ (١٣٢/٩). والهيثمي في **مجمع الزوائد** (٣٤/٩) وقال: رواه الطبراني وأبو يعلى بنحوه باختصار ورجاله رجال الصحيح. وابن سعد الزهري في **الطبقات الكبرى** (٢٠١/٢). وأبو **سعيد الشاشي** في مسنده برقم:٧٣٨ (١٧٥/٢). **والطبراني في الكبير** برقم:١٠١١٩.

أجد ألم الطعام الذي أكلت بخيبر، فهذا أوان انقطع أبهري من ذلك السم».[1]

فثبت كونه -ﷺ- حياً في قبره بنص القرآن إما من عموم اللفظ، وإما من مفهوم الموافقة.

قال البيهقي في "كتاب الاعتقاد"[2]: الأنبياء بعد ما قبضوا ردت إليهم أرواحهم، فهم أحياء عند ربهم كالشهداء.

وقال القرطبي في "التذكرة"[3] في حديث الصعقة نقلاً عن شيخه: الموت ليس بعدم محض، وإنما هو انتقال من حال إلى حال.

---

(١) **حديث صحيح**. أخرجه **البخاري** في صحيحه برقم:٤٤٢٨ في كتاب (٦٤) المغازي، وباب (٨٥) مرض النبي ﷺ ووفاته (١٣١/٣). **وأحمد** في **المسند** (١٨/٦). والحاكم في **المستدرك** برقم:٤٣٩٣ (٦٠/٣). **والبيهقي** في **سننه الكبرى** (١١/١٠). والعسقلاني في **تغليق التعليق** برقم:٤٤٢٨ في باب مرض النبي ﷺ ووفاته (١٦٣/٤). وأورده العسقلاني في **فتح الباري** شرح صحيح البخاري تحت الحديث:٤١٧٤ (١٣١/٨).

(٢) الاعتقاد على مذهب السلف: ص(١٧٣)

(٣) التذكرة في أحوال الموتى والآخرة: ص(١٦٩).

ويدل على ذلك أن الشهداء بعد قتلهم وموتهم أحياء يرزقون فرحين مستبشرين، وهذه صفة الأحياء في الدنيا، وإذا كان هذا في الشهداء، فالأنبياء أحق بذلك وأولى.

وقد صح أن الأرض لا تأكل أجساد الأنبياء،[1] وأنه -ﷺ- اجتمع بالأنبياء ليلة الإسراء في بيت المقدس، وفي السماء، ورأى موسى قائماً يصلي في قبره،[2] وأخبره -ﷺ- بأنه يرد السلام على كل من يسلم عليه،[3] إلى غير ذلك مما يحصل من جملته القطع بأن موت الأنبياء إنما هو راجع إلى أن غيبوا عنا بحيث لا ندركهم، وإن كانوا موجودين أحياء، وذلك كالحال في الملائكة، فإنهم موجودون أحياء، ولا يراهم أحد من نوعنا إلا من خصه الله بكرامته من أوليائه. انتهى.

---

(١) كما أخرج **ابن ماجة** في سننه برقم:١٦٣٧، في كتاب (٦) الجنائز، وباب (٦٥) ذكر وفاته ودفنه ﷺ، عن أبي الدرداء أن رسول الله ﷺ قال: «إن الله حرّم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء فنبي الله حي يرزق».

(٢) قد سبق تخريجه.

(٣) كما مر بيانه.

وسئل البارزي عن النبي ﷺ، هل هو حي بعد وفاته؟ فأجاب: "إنه -ﷺ- حي".

قال الأستاذ أبو منصور عبد القاهر بن طاهر البغدادي الفقيه الأصولي شيخ الشافعية في "أجوبة مسائل الجاجرميين" قال: المتكلمون المحققون من أصحابنا أن نبينا -ﷺ- حي بعد وفاته، وأنه يسر بطاعات أمته، ويحزن بمعاصي العصاة منهم، وأنه تبلغه صلاة من يصلي عليه من أمته.

وقال: إن الأنبياء لا يبلون، ولا تأكل الأرض منهم شيئاً، وقد مات موسى في زمانه، وأخبر نبينا -ﷺ- أنه رآه في قبره مصلياً.

وذكر في حديث المعراج أنه رآه في السماء الرابعة، وأنه رأى آدم في السماء الدنيا، ورأى إبراهيم وقال له: مرحباً بالابن الصالح، والنبي الصالح. وإذا صح لنا هذا الأصل قلنا: نبينا -ﷺ- قد صار حيا بعد وفاته، وهو على نبوته. هذا آخر كلام الأستاذ.

وقال الحافظ شيخ السنة أبو بكر البيهقي في "كتاب الاعتقاد": الأنبياء -عليهم السلام- بعد ما قبضوا ردت إليهم

أرواحهم، فهم أحياء عند ربهم كالشهداء، وقد رأى نبينا -ﷺ- جماعة منهم، وأمّهم في الصلاة، وأخبر -وخبره صدق- أن صلاتنا معروضة عليه، وأن سلامنا يبلغه، وأن الله حرّم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء.[1] قال: وقد أفردنا لإثبات حياهم كتاباً.

قال: وهو بعد ما قبض نبي الله ورسوله وصفيه وخيرته من خلقه ﷺ.

اللهم أحينا على سنته، وأمتنا على ملته، واجمع بيننا وبينه في الدنيا والآخرة، إنك على كل شيء قدير. انتهى جواب البارزي.

وقال الشيخ عفيف الدين اليافعي: الأولياء تَرِدُ عليهم أحوال يشاهدون فيها ملكوت السماوات والأرض، وينظرون الأنبياء أحياء غير أموات كما نظر النبي -ﷺ- إلى موسى عليه السلام في قبره.

(١) قد ذكر حديث ابن ماجة آنفاً. وذكر البيهقي في "الاعتقاد": ص(١٧٣).

قال: وقد تقرر أن ما جاز للأنبياء معجزة جاز للأولياء كرامة بشرط عدم التحدي.

قال: ولا ينكر ذلك إلا جاهل، ونصوص العلماء في حياة الأنبياء، كثيرة فلنكتف بهذا القدر.

فصل

١٦- وأما الحديث الآخر فأخرجه أحمد في مسنده، وأبو داود في سننه، والبيهقي في ''شعب الإيمان'' من طريق أبي عبد الرحمن المقري، عن حيوة بن شريح، عن أبي صخرة، عن زيد بن عبد الله بن قسيط، عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: "ما من أحد يسلم علي إلا رد الله إليّ روحي حتى أرد عليه السلام".[1]

(١) **حديث صحيح.** أخرجه **البيهقي** في **سننه الكبرى** برقم:١٠٠٥٠ في باب زيارة النبي ﷺ (٥/٢٤٥). و(البيهقي) في **شعب الإيمان** برقم:١٥٨١ (٢/٢١٧). وفي **حياة الأنبياء صلوات الله عليهم** برقم:١٦. والمنذري في **الترغيب والترهيب** برقم:٢٥٧٣ (٢/٣٢٦). و**الطبراني** في **الأوسط** برقم:٣٠٩٢ (٣/٢٦٢). وأخرج

ولا شك أن ظاهر الحديث مفارقة الروح لبدنه الشريف في بعض الأوقات، وهو مخالف للأحاديث السابقة، وقد تأملته ففتح علي في الجواب عنه بأوجه:

الأول: وهو أضعفها أن يدعي أن الراوي وَهَمَ في لفظة من الحديث حصل بسببها الإشكال، وقد ادعى ذلك العلماء في أحاديث كثيرة، لكنّ الأصل خلاف ذلك، فلا يعول على هذه الدعوى.

الثاني: وهو أقواها ولا يدركه إلا ذو باع في العربية أن قوله: "إلا رد الله" جملة حالية، وقاعدة العربية أن جملة الحال إذا وقعت فعلاً ماضياً قدرت فيها "قد" كقوله تعالى: ﴿أَوْ جَاؤُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ ﴿٩٠﴾﴾ [النساء:٩٠] أي قد

أبو داود في سننه، بلفظ علي دون إلي برقم:٢٠٤١ في كتاب (٥) المناسك، وباب (١٠٠) زيارة القبور (٢/٣٦٦). و**أحمد** في مسنده (٢/٢٢٧). وقال العراقي في تخريج الأحياء (١/٢٧٩) سنده جيد، وصححه النووي في **رياض الصالحين** وقال: إسناده صحيح. وقال الحافظ في **الفتح**: رجاله ثقات.

حصرت، وكذا تقدر هنا، والجملة ماضية سابقة على السلام الواقع من كل أحد، وحتى ليست للتعليل، بل بمجرد حرف عطف بمعنى الواو، فصار تقدير الحديث: ما من أحد يسلم علي إلا قد ردّ الله علي روحي قبل ذلك، فأرد عليه.

إنما جاء الإشكال من ظن أن جملة (رد الله علي) بمعنى الحال أو الاستقبال، وظن أن (حتى) تعليلية، وليس كذلك.

وبهذا الذي قررناه ارتفع الإشكال من أصله، وأيده من حيث المعنى أن الرد ولو أخذ بمعنى الحال والاستقبال لزم تكرره عند تكرر المسلّمين، وتكرر الرد يستلزم تكرار المفارقة، وتكرار المفارقة يلزم عليه محذوران:

أحدهما: تأليم الجسد الشريف بتكرار خروج الروح منه أو نوع ما من مخالفة التكريم إن لم يكن تأليم.

والآخر: مخالفة سائر الناس الشهداء وغيرهم، فإنه لم يثبت لأحد منهم أن يتكرر له مفارقة الروح وعودها في البرزخ، والنبي ﷺ أولى بالاستمرار الذي هو أعلى رتبة.

ومحذور ثالث: وهو مخالفة القرآن، فإنه دل على أنه ليس إلا موتتان وحياتان، وهذا التكرار يستلزم موتات كثيرة، وهو باطل.

ومحذور رابع: وهو مخالفة الأحاديث المتواترة السابقة، وما خالف القرآن والمتواتر من السنة وجب تأويله، وإن لم يقبل التأويل كان باطلاً، فلهذا أوجب حمل الحديث على ما ذكرناه.

الوجه الثالث: أن يقال: إن لفظ الرد قد لا يدل على المفارقة، بل كنى به عن مطلق الصيرورة، كما قيل في قوله تعالى: ﴿قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللهِ كَذِباً إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ ﴿٨٩﴾﴾ [الأعراف:٨٩] أن لفظ العود أريد به مطلق الصيرورة، لا العود بعد الانتقال، لأن شعيباً عليه السلام لم يكن في ملتهم قط، وحسن استعمال هذا اللفظ في هذا الحديث مراعاة المناسبة اللفظية بينه وبين قوله: "حتى أرد عليه السلام" فجاء لفظ الرد في صدر الحديث لمناسبة ذكره في آخر الحديث.

الوجه الرابع: وهو قوي جداً، أنه ليس المراد برد الروح عودها بعد المفارقة للبدن، وإنما النبي ﷺ في البرزخ

مشغول بأحوال الملكوت، مستغرق في مشاهدة ربه كما كان في الدنيا في حالة الوحي، وفي أوقات أخر، فعبر عن إفاقته من تلك المشاهدة، وذلك الاستغراق برد الروح، ونظير هذا قول العلماء في اللفظة التي وقعت في بعض أحاديث الإسراء، وهي قوله: «فاستيقظت وأنا بالمسجد الحرام» ليس المراد الاستيقاظ من نوم، فإن الإسراء لم يكن مناماً، وإنما المراد الإذاقة مما خامره من عجائب الملكوت.

وهذا الجواب الآن عندي أقوى ما يجاب به عن لفظه الرد، وقد كنت رجحت الثاني ثم قوي عندي هذا.

الوجه الخامس: أن يقال: إن الرد يستلزم الاستمرار، لأن الزمان لا يخلو من مصل عليه في أقطار الأرض، فلا يخلو من كون الروح في بدنه.

السادس: قد يقال: إنه أُوحي إليه بهذا الأمر أولا قبل أن يوحى إليه بأنه لا يزال حيا في قبره، وأخبر به، ثم أوحي إليه بعد ذلك، فلا منافاة لتأخير الخبر الثاني عن الخبر الأول.

هذا ما فتح الله به من الأجوبة، ولم أر شيئاً منها منقولاً لأحد.

ثم بعد كتابتي لذلك راجعت كتاب "الفجر المنير فيما فضل به البشير النذير" للشيخ تاج الدين بن الفاكهاني المالكي، فوجدته قال فيه ما نصه: روينا في الترمذي قال: قال رسول الله ﷺ: «ما من أحد يسلم علي إلا رد الله عليّ روحي حتى أرد عليه السلام».[(١)]

يؤخذ من هذا الحديث أن النبي ﷺ حي على الدوام، وذلك أنه محال عادة أن يخلو الوجود كله من واحد مسلّم على –النبي ﷺ– في ليل أو نهار.

فإن قلت: قوله ﷺ: «إلا رد الله إلي روحي» لا يلتئم مع كونه حياً على الدوام، بل يلزم منه أن تتعدد حياته ووفاته في أقل من ساعة، إذ الوجود لا يخلو من مسلِّم يسلِّم عليه كما تقدم، بل يتعدد السلام عليه في الساعة الواحدة كثيراً. فالجواب –والله أعلم– أن يقال: المراد بالروح هنا النطق مجازاً.

فكأنه قال ﷺ: إلا رد الله إليّ نطقي، وهو حي على الدوام، لكن لا يلزم من حياته نطقه، فالله سبحانه يرد عليه

(١) قد سبق تخريجه.

النطق عند سلام كل مسلّم، وعلاقة المجاز أن النطق من لازمه وجود الروح، كما أن الروح من لازمه وجود النطق بالفعل أو القوة، فعبر ﷺ بأحد المتلازمين عن الآخر.

ومما يحقق ذلك أن عود الروح لا يكون إلا مرتين عملاً بقوله تعالى: ﴿رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ﴾ [غافر:١١].

وهذا لفظ كلام الشيخ تاج الدين، وهذا الذي ذكره من الجواب ليس واحداً من الستة التي ذكرها فهو إن سلم جواب سابع.

وعندي فيه وقفة من حيث أن ظاهره أن النبي -ﷺ- مع كونه حياً في البرزخ يمنع عنه النطق في بعض الأوقات، ويرد عليه عند سلام المسلّم عليه، وهذا بعيد جداً، بل ممنوع، فإن العقل والنقل يشهدان بخلافه.

أما النقل فالأخبار الواردة عن حاله ﷺ وحال الأنبياء -عليهم السلام- في البرزخ مصرحة بأنهم ينطقون كيف شاءوا ولا يمنعون من شيء، بل وسائر المؤمنين، كذلك الشهداء، وغيرهم ينطقون في البرزخ بما شاءوا غير ممنوعين

من شيء، ولم يرد أن أحداً يمنع من النطق في البرزخ إلا من مات عن غير وصية.

أخرج أبو الشيخ بن حيان في كتاب "الوصايا" عن قيس بن قبيصة قال: قال رسول الله ﷺ: «من لم يوص لم يؤذن له في الكلام مع الموتى». قيل: يا رسول الله، وهل تتكلم الموتى؟ قال: «نعم، ويتزاورون».[1]

١٧- وقال الشيخ تقي الدين السبكي: حياة الأنبياء والشهداء في القبر كحياتهم في الدنيا، ويشهد له صلاة موسى في قبره، فإن الصلاة تستدعي جسداً حياً، وكذلك الصفات المذكورة في الأنبياء ليلة الإسراء كلها صفات الأجسام، ولا يلزم من كونها حياة حقيقة أن تكون الأبدان معها كما كانت في الدنيا من الاحتياج إلى الطعام والشراب.

وأما الإدراكات كالعلم والسماع فلا شك أن ذلك ثابت لهم ولسائر الموتى. انتهى.

---

(١) أخرجه الديلمي في **الفردوس بمأثور الخطاب** برقم:٥٩٤٥ (٦٢٢/٣).

وأما العقل فلأن الحبس عن النطق في بعض الأوقات نوع حصر وتعذيب، ولهذا عذّب به تارك الوصية، والنبي ﷺ- منـــزه عن ذلك، ولا يلحقه بعد وفاته حصر أصلاً بوجه من الوجوه كما قال لفاطمة رضي الله عنها في مرض وفاته: «لا كرب على أبيك بعد اليوم».(1)

(1) **حديث صحيح.** أخرجه **البخاري في صحيحه** برقم:٤٤٦٢ في كتاب المغازي، وباب مرض النبي ﷺ ووفاته بلفظ: «ليس على أبيك كرب بعد اليوم». وأخرجه **الإمام عبد الرزاق** في مصنفه برقم:٦٦٧٣. **ابن حبان** في صحيحه برقم:٦٦١٣ في باب وفاته ﷺ (١٤/٥٨٢). **وابن ماجة** في سننه برقم:١٦٢٩ في كتاب (٦) الجنائز، وباب (٦٥) ذكر وفاته ودفنه ﷺ (٢/٣٠٠). والكناني في **مصباح الزجاجة** (٢/٥٧). **وأبو يعلى** في مسنده برقم:٢٨٦٩ (٥/١٥٦). **وإسحاق بن راهويه في مسنده** برقم:١٣ (١/١٤). **والترمذي** في **الشمائل** برقم:٣٩٨ في باب (٥٤) ما جاء في وفاة رسول الله ﷺ (ص١٨٤). **والطبراني في الكبير** (٢٢/١٠٢٩). والرازي في **كتاب الجرح والتعديل** برقم:١٧٠٦ (٣/٣٧٤). والبيهقي في **دلائل النبوة** (٧/٢١٢). **والخطيب** البغدادي في **تاريخ بغداد** برقم:٣٢٩٢ (٦/٢٦١). وابن عدي في **الكامل في ضعفاء**

وإذا كان الشهداء وسائر المؤمنين من أمته إلا من استثنى من المعذبين لا يحصرون بالمنع من النطق، فكيف به ﷺ.

نعم، يمكن أن ينتزع من كلام الشيخ تاج الدين.

جواب آخر: ويقرر بطريق أخرى، وهو أن يراد بالروح النطق، وبالرد الاستمرار من غير مفارقة، على حد ما قررته في الوجه الثالث، ويكون في الحديث على هذا مجازان: مجاز في لفظ الرد، ومجاز في لفظ الروح.

فالأول: استعارة تبعية، والثاني: مجاز مرسل، وعلى ما قررته في الوجه الثالث يكون فيه مجاز واحد في الرد فقط.

الرجال برقم:٩٩٤ (٤/١٧٥). والمزي في **تهذيب الكمال** برقم:٣٢٧١ (١٤/٥١٦). وابن عبد البر في **الاستيعاب** برقم:٥٩٨ (٢/٤٢٠). والعسقلاني في **الإصابة** برقم:٢١٤٠ (٢/٢٢٤). وأورد(العسقلاني) **في فتح الباري** شرح صحيح البخاري تحت الحديث:٤١٩٣ (٨/١٤٩).

ويتولد من هذا الجواب جواب آخر وهو أن تكون الروح كناية عن السمع، ويكون **المراد أن** الله يرد عليه سمعه الخارق للعادة بحيث يسمع المسلم، وإن بَعُدَ قُطْرُه.

ويرد عليه من غير احتياج إلى واسطة مبلغ، وليس المراد سمعه المعتاد، وقد كان له -ﷺ- في الدنيا حالة يسمع فيها سمعاً **خارقاً للعادة بحيث كان يسمع** أطيط السماء،[1]

(١) إشارة إلى الحديث المروي عن أبي ذر ﷺ، **أن** رسول الله ﷺ قال: "إني أرى ما لا ترون وأسمع ما لا تسمعون، أطت السماء وحق لها أن تئط، ما فيها موضع قدر أربع أصابع إلا ملك واضع جبهته ساجداً لله" الحديث. أخرجه الحاكم في **المستدرك على الصحيحين** برقم:٣٨٨٣ في تفسير سورة ﴿هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ﴾ (٥٠٤/٢). **والترمذي** في سننه برقم:٢٣١٢ في كتاب (٣٧) الزهد،وباب (٩) قول النبي ﷺ: لو تعلمون إلخ (٢٨٩/٣). **وابن ماجة** في سننه برقم:٤١٩٠ في كتاب (٣٧) الزهد، وباب (١٩) الحزن والبكاء (٥٠٥/٤). والبيهقي في سننه **الكبرى** برقم:١٣١١٥ (٥٢/٧). و(البيهقي) في شعب الإيمان برقم:٧٨٣ (٤٨٤/١). **وأحمد** في مسنده برقم:٢١٥٥٥ (١٧٣/٥). والعسقلاني في **الإصابة** برقم:٥٦٥٠ (٥٤٢/٤). **وقال العلامة السندي:** "أطت": في النهاية: الأطيط

كما بينت ذلك في كتاب "المعجزات"، وهذا قد ينفك في بعض الأوقات، ويعود لا مانع منه وحالته -ﷺ- في البرزخ كحالته في الدنيا سواء.

وقد يخرج من هذا الجواب آخر وهو أن المراد سمعه المعتاد، ويكون المراد برده إفاقته من الاستغراق الملكوتي، وما هو فيه من المشاهد، فيرده الله تلك الساعة إلى خطاب من سلم عليه في الدنيا، فإذا فرغ من الرد عليه عاد إلي ما كان فيه.

ويخرج من هذا جواب آخر وهو أن المراد برد الروح التفرغ من الشغل، وفراغ البال مما هو بصدده في البرزخ من النظر في أعمال أمته، والاستغفار لهم من السيآت، والدعاء بكشف البلاء عنهم، والتردد في أقطار الأرض لحلول البركة فيها، وحضور جنازة من مات من صالح أمته، فإن هذه

صوت الأقتاب وأطيط الإبل أصواتها وحنينها أي: أن أكثر **ما فيها** من الملائكة حتى أطت. وهذا مثل وإيذان بكثرة الملائكة، وإن لم يكن ثم أطيط. وإنما هو كلام تقريب أريد به تقرير عظمة الله تعالى. (تحت الحديث ابن ماجة المذكور)

الأمور من جملة أشغاله في البرزخ كما وردت بذلك الأحاديث والآثار، فلما كان السلام عليه من أفضل الأعمال وأجل القربات اختص المسلّم عليه بأن يفرغ له من أشغاله المهمة لحظة يرد عليه فيها تشريفاً له ومجازاة.

فهذا عشرة أجوبة، كلها من استنباطي، وقد قال الجاحظ: إذا نكح الفكر الحفظ ولد العجائب.

ثم ظهر لي جواب حادي عشر، وهو أنه ليس المراد بالروح روح الحياة، بل الارتياح كما في قوله تعالى: ﴿فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ ﴿٨٩﴾﴾[الواقعة:٨٩] فإنه قريء فَرُوح -بضم الراء- والمراد أنه -ﷺ- يحصل له بسلام المسلم عليه ارتياح وفرح وهشاشة لحبه ذلك، فيحمله ذلك على أن يرد عليه.

ثم ظهر لي جواب ثاني عشر، وهو أن المراد بالروح: الرحمة الحادثة من ثواب الصلاة.

قال ابن الأثير في "النهاية": تكرر ذكر الروح في الحديث كما تكرر في القرآن، ووردت فيه على معان،

والغالب منها أن المراد بالروح الذي يقوم به الجسد، وقد أطلق على القرآن، والوحي، والرحمة، وعلى جبريل. انتهى.

وأخرج ابن المنذر في تفسيره عن الحسن البصري أنه **قرأ قوله تعالى:** ﴿فَرُوحٌ وَرَيْحَانٌ ﴿٨٩﴾﴾ [الواقعة:٨٩] بالضم وقال: الروح الرحمة، وقد تقدم في حديث أنس أن الصلاة تدخل عليه -ﷺ- في قبره كما يدخل عليكم بالهدايا، والمراد ثواب الصلاة، وذلك رحمة الله وإنعاماته.

ثم ظهر لي جواب ثالث عشر، وهو أن المراد بالروح الملك الذي وكلّ بقبره -ﷺ- يبلغه السلام، والروح يطلق على غير جبريل أيضاً من الملائكة، قال الراغب: أشراف الملائكة تسمى أرواحاً. انتهى.

ومعنى "رد الله إليّ روحي": أي: بعث إلي الملك الموكل بتبليغي السلام، هذا غاية ما ظهر، والله أعلم.

تنبيه

وقع في كلام الشيخ تاج الدين أمران يحتاجان إلى التنبيه عليهما: **أحدهما**: أنه عزا الحديث إلى الترمذي، وهو غلط فلم يخرجه من أصحاب الكتب الستة إلا أبو داود فقط، كما ذكره الحافظ جمال الدين المزي في الأطراف.

الثاني: أنه أورد الحديث بلفظ: "رد الله علي" وهو كذلك في سنن أبي داود، ولفظ رواية البيهقي: "رد الله إلي روحي". وهي ألطف وأنسب، فإن بين التعديتين فرقاً لطيفاً، فإن "رد" يتعدى بـــ "علي" في الإهانة، وبـــ "إلي" في الإكرام.

قال في الصحاح:

رد عليه الشيء إذا لم يقبله، وكذلك إذا خطأه، ويقول: رده إلى منـــزله، ورد إليه جواباً، أي رجع. وقال الراغب من الأول: قوله تعالى: ﴿يَرُدُّوكُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ﴾ [آل عمران:١٤٩] ﴿رُدُّوهَا عَلَيَّ﴾ [ص:٣٣] ﴿وَنُرَدُّ عَلَى أَعْقَابِنَا﴾ [الأنعام:٧١]. ومن الثاني ﴿فَرَدَدْنَاهُ إِلَى أُمِّهِ﴾ [القصص:١٣]. ﴿وَلَئِنْ رُدِدْتُ إِلَى رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا﴾ [الكهف:٣٦]. ﴿ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ [التوبة:٩٤]. ﴿ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ﴾ [الأنعام:٦٢].

فصل

وقال الراغب: من معاني الرد: التفويض يقال رددت الحكم في كذا إلى فلان أي فوضته إليه. قال تعالى: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ [النساء:٥٩] ﴿وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ﴾ [النساء:٨٣]. انتهى.

ويخرج من هذا الجواب رابع عشر عن الحديث: وهو **أن المراد فوض الله إليّ رد السلام عليه، على أن المراد بالروح الرحمة، والصلاة من الله الرحمة.**

فكأن المسلم بسلامه تعرض لطلب صلاة من الله.

١٨- تحقيقاً لقوله ﷺ: "من صلى عليّ واحدة صلى الله عليه عشراً".[1] والصلاة من الله الرحمة.

(١) **حديث صحيح.** أخرجه **البخاري** في الأدب المفرد برقم:٦٤٣ في باب الصلاة على النبي ﷺ. **ومسلم** في صحيحه برقم: ٧٠-(٤٠٨) في كتاب (٤) الصلاة، وباب (١٧) الصلاة على النبي ﷺ بعد التشهد (ص١٦٠). وابن **خزيمة** في صحيحه برقم:٤١٨ في باب فضل الصلاة على النبي ﷺ بعد أفطر سماع الأذان (١/٢١٨). **وابن حبان** في صحيحه برقم:٩٠٤ (٣/١٨٥). **والترمذي** في سننه برقم:٤٨٥ في أبواب (٣) الوتر، وباب (٣٥٢) ما جاء في فضل الصلاة على النبي ﷺ (١/٣٦٠). **وأبو داود** في سننه برقم:١٥٣٠ في كتاب (٢) الصلاة، وباب (٣٦١) في الاستغفار (٢/١٢٤). **والنسائي في سننه الكبرى** برقم:١٢١٩ (١/٣٨٤). و(النسائي) في سننه المجتبى برقم:٦٧٧ في كتاب (٧) الأذان، وباب (٣٧) الصلاة على النبي ﷺ بعد الأذان (١/٣٥٤). **وأحمد** في مسنده برقم:٧٧٦٩

ففوض الله أمر هذه الرحمة إلى النبي -ﷺ- ليدعو بها للمسلم، فتحصل إجابته قطعاً، فتكون الرحمة الحاصلة للمسلم إنما هي ببركة دعاء النبي -ﷺ- ينـزل ذلك منـزلة الشفاعة في قبول سلام المسلم والإثابة عليه، وتكون الإضافة في "روحي" لمجرد الملابسة.

ونظير قوله في حديث الشفاعة[1]: فيردها هذا إلى هذا، وهذا إلى هذا، حتى ينتهي إلى محمد.

(٢/٣٧٥). والحاكم في **المستدرك على الصحيحين** برقم:٩٠٥ (٢/٣١). **وأبو عوانة** في مسنده برقم:٢٠٤٠ (١/٥٤٦). **والطبراني** في **الصغير** برقم:٥٧٩ (١/٣٤٧) وفي **الأوسط** برقم:٢٧٦٧ (٣/١٥٤) وفي **الكبير** برقم:٤٧١٧ (٥/٩٩). **وأبو يعلى** في مسنده برقم:٦٤٩٥ (١١/٣٧٠). والهيثمي في **مجمع الزوائد** (١٠/١٦٣). **والبزار** في مسنده برقم:٣٨١١ (٩/٢٦٨). والمقدسي في **الأحاديث المختارة** برقم:١٥٦٨ (٤/٣٩٧). والسيوطي في **الديباج** برقم:٤٠٨ (٢/١٣٩). وأبو بكر الهيثمي في **موارد الظمآن** برقم:٢٣٩٠ (١/٥٩٤). والجراحي في **كشف الخفاء** برقم:٢٥١٧ (٢/٣٣٧).

(١) حديث الشفاعة مروي عن أبيّ هريرة رضي الله عنه. أخرجه **البخاري** في صحيحه برقم:٣٣٤٠ في كتاب (٦٠) أحاديث الأنبياء، وباب (٤)

١٩- وفي حديث الإسراء: "لقيت ليلة أسري بي إبراهيم وموسى وعيسى، فتذكروا أمر الساعة، فردوا أمرهم إلى إبراهيم، فقال: لا علم لي بها، فردوا أمرهم إلى موسى، فقال: لا علم لي بها، فردوا أمرهم إلى عيسى".[١]

والحاصل: أن معنى الحديث على هذا الوجه إلا فوض الله لي أمرَ الرحمة التي تحصل للمسلم بسببي، فأتولى الدعاء بها بنفسي، بأن أطلق بلفظ السلام على وجه الرد عليه، في مقابلة سلامه والدعاء له.

ثم ظهر لي جواب خامس عشر: وهو أن المراد بالروح: الرحمة التي في قلب النبي -ﷺ- على أمته، والرأفة التي جبل عليها.

- وقد يغضب في بعض الأحيان على من عظمت ذنوبه

قول الله ﷻ: ﴿وَإِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحاً﴾ الآية (٢/٣٦٤). **ومسلم** في صحيحه برقم:٣٢٧-(١٩٤) في كتاب (١) الإيمان، وباب (٨٤) أدنى أهل الجنة منزلة فيها (ص٩٦-٩٧). **والترمذي** في سننه برقم:٢٤٣٤ في كتاب (٣٨) صفة القيامة والرقائق والورع، وباب (١٠) ما جاء في الشفاعة (٣/٢٤٩-٢٥١).

(١) أخرجه **أحمد** في مسنده برقم:٣٥٥٦ (١/٣٧٥).

أو انتهك محارم الله، والصلاة على النبي -ﷺ- سبب لمغفرة الذنوب كما في حديث: "إذن تكفي همك، ويغفر ذنبك".

فأخبر -ﷺ- أنه ما من أحد يسلم عليه -وإن بلغت ذنوبه ما بلغت- إلا رجعت إليه الرحمة التي جبل عليها، حتى يرد عليه السلام بنفسه، ولا يمنعه من الرد ما كان منه قبل ذلك من ذنب.

وهذه فائدة نفيسة، وبشرى عظيمة، وتكون هذه فائدة زيادة "من" الاستغراقية في "أحد" المنفي الذي هو ظاهر في الاستغراق قبل زيادتها نص فيه بعد زيادتها بحيث انتفى بسببها أن يكون من العام المراد به الخصوص.

هذا آخر ما فتح الله به الآن من الأجوبة، وإن فتح بعد ذلك بزيادة ألحقناها، والله الموافق بمنه وكرمه.

أقوى الأجوبة

ثم بعد ذلك رأيت الحديث المسئول عنه مخرجاً في كتاب "حياة الأنبياء" للبيهقي بلفظ "إلا وقد رد الله عليّ روحي" فصرح فيه بلفظ: "وقد" فحمدت الله كثيراً، وقوي أن رواية إسقاطها محمولة على إضمارها، وأن حذفها من تصرف الرواة، وهو الأمر الذي جنحت إليه في الوجه الثاني من

الأجوبه، وقد عدت الآن إلى ترجيحه لوجود هذه الرواية، فهو أقوى الأجوبة.

ومراد الحديث الإخبار بأن الله يرد إليه روحه بعد الموت، فيصير حياً على الدوام، حتى لو سلم عليه أحد رد عليه سلامه،[1] لوجود الحياة. فصار الحديث موافقاً للأحاديث الواردة في حياته في قبره وواحدا من جملتها، لا منافياً لها ألبتة بوجه من الوجوه، ولله الحمد والمنة.

وقد قال بعض الحفاظ: لو لم نكتب الحديث من ستين وجهاً ما عقلناه، وذلك لأن الطرق يزيد بعضها على بعض تارة في ألفاظ المتن، وتارة في الإسناد، فيستبين بالطريق المزيد ما خفي في الطريق الناقصة، والله تعالى أعلم.

(١) هدانا الأستاذ العلامة المفتي محمد عطاء الله النعيمي مد ظله العالي إلى قول السبكي في "**شفاء السقام**": فإن قيل: ما معنى قوله ﷺ: "إلا رد الله علي روحي"؟ قلت: فيه جوابان؛ أحدهما: ذكره الحافظ أبو بكر البيهقي: أن المعنى إلا وقد رد الله علي روحي يعني أن النبي ﷺ بعد ما مات ودفن رد الله عليه روحه لأجل السلام واستمرت في جسده ﷺ (ذكره السبكي في الكتاب المذكور في الباب الثاني، وفصل في علم النبي ﷺ بمن يسلّم عليه ص٥٠) وأيضاً نقل السخاوي عن السبكي الكبير صاحب "شفاء السقام" في "القول البديع": (قبل باب الخامس ص١٧٥).